ماہنامہ

دختران اسلام

لاہور

مارچ 2025ء

علم میں درستگی اور پختگی کیسے؟

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

شہر اعتکاف 2025

خصوصی ہدایات برائے معتکفات

ماہ سیر الی الرحمن

خواتین کی خوداعتمادی اور دین اسلام سے رہنمائی

شیخ الاسلام ڈے 2025 کے پرمسرت موقع پر منہاج القرآن ویمن لیگ کی جانب سے
''جہانِ فکرو دانش'' کے عنوان سے انعقاد پذیر پروقار تقریب کی تصویری جھلکیاں

خواتین میں بیداریٔ شعور و آگہی کیلئے کوشاں

ماہنامہ دخترانِ اسلام لاہور

جلد: 32 شمارہ: 3 / رمضان المبارک ۱۴۴۶ھ / مارچ 2025ء

زیر سرپرستی **بیگم رفعت جبین قادری**

چیف ایڈیٹر **قرۃ العین فاطمہ**

فہرس

ادار یہ (اللہ رمضان المبارک میں جنتی بننا آسان کر دیتا ہے)		06
علم میں درستگی اور پختگی کیسے؟	مرتبہ: ثناء وحید	08
ناامیدی کی دلدل سے نجات	ڈاکٹر فرح ناز	23
روزنِ علم	ڈاکٹر جویریہ حسن	31
خود اعتمادی بہترین وصف ہے	سعدیہ کریم	34
خاندانی نظام کو درپیش چیلنجز اور حل	ایم اے زیب رضا خان	40
سید علی بن عثمانؒ	عائشہ صدیقہ	45
گلدستہ	مرتبہ: جویریہ ابراہیم	55
فقہی مسائل: فلسفۂ صوم	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	59
شہرِ اعتکاف 2025ء: ہدایات برائے معتکفات	انیلا الیاس ڈوگر	65
Shaykh-ul-Islam's vision for Empowerment through knowledge	(Hadia Saqib)	71
A Visionary Leader Inspiring Lifelong Learning	(Hina Amin)	76

ایڈیٹر

ثناء وحید

ڈپٹی ایڈیٹر

نازیہ عبد الستار

مجلس مشاورت

نور اللہ صدیقی، ڈاکٹر فوزیہ سلطانہ
ڈاکٹر نبیلہ اسحاق، ڈاکٹر شاہدہ مغل
ڈاکٹر فرخ سہیل، ڈاکٹر سعدیہ نصر اللہ
مسز فریدہ سجاد، مسز فرح ناز
مسز حلیمہ سعدیہ، مسز راضیہ نوید
سدرہ کرامت، مسز رافعہ علی
ڈاکٹر زیب النساء سرور یا، ڈاکٹر نورین روبی

رائٹرز فورم

آسیہ سیف، سعدیہ کریم، جویریہ سحرش
جویریہ وحید، ماریہ عروج، سُمیّہ اسلام

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم گرافکس: عبد السلام
فوٹوگرافی
قاضی محمود الاسلام

مجلہ دخترانِ اسلام میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کیے جاتے ہیں
ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا

بدلِ اشتراک

قیمت فی شمارہ -/60 روپے

آسٹریلیا، کینیڈا، مشرقِ بعید، امریکہ 15 ڈالر

مشرقِ وسطیٰ، جنوب مشرقی ایشیا، یورپ، افریقہ 12 ڈالر

سالانہ خریداری -/700 روپے

رابطہ: ماہنامہ دخترانِ اسلام 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون نمبرز: 3-042-5169111 فیکس نمبر: 042-35168184

Visit us on: www.minhaj.info | E-mail:sisters@minhaj.org

فرمان الٰہی

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا. وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا. يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا.

(الأحزاب، ۳۳: ۵۷-۵۹)

”بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کو اذیت دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت بھیجتا ہے اور اُس نے ان کے لیے ذِلّت انگیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ مومن مَردوں اور مومن عورتوں کو اذیّت دیتے ہیں بغیر اِس کے کہ انہوں نے کچھ (خطا) کی ہو تو بے شک انہوں نے بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ (اپنے سَر) لے لیا۔ اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دیں کہ (باہر نکلتے وقت) اپنی چادریں اپنے اوپر اوڑھ لیا کریں، یہ اس بات کے قریب تر ہے کہ وہ پہچان لی جائیں (کہ یہ پاک دامن آزاد عورتیں ہیں) پھر انہیں (آوارہ باندیاں سمجھ کر غلطی سے) ایذاء نہ دی جائے، اور اللہ بڑا بخشنے والا بڑا رحم فرمانے والا ہے۔“

فرمان نبوی ﷺ

عن أبی هريرة رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال: من كان يؤمن بالله واليوم الاخر فلا يؤذی جاره واستوصوا بالنساء خيرا، فانهن خلقن من ضلع و ان اعوج شء فی الضلع اعلاه فان ذهبت تقيمه كسرته وان تركته لم يزل اعوج فاستوصوا بالنساء خيرا.

(بخاری، الصحیح، کتاب النکاح، باب الوصاة بالنساء، ۵: ۱۹۸۷، رقم: ۴۸۹۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسائے کو تکلیف نہ دے، اور عورتوں کے ساتھ نیکی کرنے کے بارے میں میری وصیت قبول کرلو کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئیں ہیں۔ اور سب سے اوپر والی پسلی سب سے زیادہ ٹیڑھی ہوتی ہے اگر تم اسے سیدھا کرنے لگو گے تو توڑ ڈالو گے اور اس کے حال پر چھوڑے رہو گے تب بھی ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی پس عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کے بارے میں میری وصیت قبول کرلو۔

خواب

اک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ ، نہ تعلیم ، نئی ہو کہ پرانی
نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

(ضربِ کلیم)

تعبیر

”قوم کی تعمیر اور اس کے استحکام کے عزیم کٹھن کام کے سلسلہ میں خواتین کو انتہائی اہم کردار ادا کرنا ہے۔ خواتین قوم کے نوجوانوں کے کردار کی معمار ہوتی ہیں جو مملکت کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ حصول پاکستان کی طویل جدوجہد میں مسلمان خواتین اپنے مردوں کے پیچھے مضبوطی سے ڈٹی رہی ہیں۔ تعمیر پاکستان کی اس سے بھی سخت اور بڑی جدوجہد میں، جس کا ہمیں اب سامنا ہے، یہ نہ کہا جائے کہ پاکستان کی خواتین پیچھے رہ گئیں یہ اپنا فرض ادا کرنے سے قاصر ہیں۔“

(ریڈیو پاکستان ڈھاکہ 23 مارچ 1948ء)

تکمیل

”مفکرین آج کے دور میں اہم سیاسی معاملات میں عورت کی شمولیت کا سہرا مغرب کے سر رکھتے ہیں حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے یہ اسلام ہی تھا جس نے آج سے چودہ سو سال قبل عورت کو نہ صرف حق رائے دہی دیا بلکہ عورت کو وہ عزت و تکریم بھی دی جس سے وہ معاشرے کا ایک موثر اور باوقار حصہ بن گئی اور اس نے زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ سیاسی و انتظامی اور سفارتی کردار کے علاوہ علم و عمل میں بھی عورتیں نمایاں مقام کی حامل تھیں۔ لہٰذا اہل مغرب اور مفکرین اپنے اس نظریہ کی اصلاح کر لیں کہ سب سے پہلے اہل مغرب نے خواتین کو حقوق نہیں دیئے بلکہ اسلام وہ واحد دین ہے جس نے 14 سو سال قبل یہ حقوق عورت کو تفویض کر دیئے تھے۔“ (شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

اداریہ

اللہ رمضان المبارک میں جنتی بننا آسان کر دیتا ہے

روزہ محض بھوک اور پیاس کا نام نہیں بلکہ یہ ایک روحانی، اخلاقی اور جسمانی تربیت کا حسین امتزاج ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جو انسان کو اپنے نفس کی غلامی سے آزاد کر کے تقویٰ اور پرہیز گاری کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔ روزہ انسان کو ضبطِ نفس، صبر اور شکر کی عملی مشق سکھاتا ہے اور شعوری تربیت سے قلب وذہن کو پاکیزگی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے روزے کو فرض کر کے بندوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ محض مادی ضروریات کی تکمیل زندگی کا اصل مقصد نہیں بلکہ روحانی بالیدگی بھی ناگزیر ہے۔ جب انسان روزے کی حالت میں کھانے پینے سے رُک جاتا ہے تو درحقیقت وہ اپنی خواہشات کو قابو میں رکھ کر خود کو ایک اعلیٰ روحانی درجے پر لے جاتا ہے۔ یہ احساس کہ اللہ دیکھ رہا ہے انسان کو گناہوں سے روکنے میں مدد دیتا ہے اور اس کے دل میں خوفِ خدا اور احساسِ بندگی پیدا کرتا ہے۔ روزے کا ایک اور عظیم فائدہ تقویٰ کا حصول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

”اے ایمان والو! تم پر اسی طرح روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔“ (البقرہ: 183)

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ روزے کا اصل مقصد انسان کو تقویٰ کی منزل تک پہنچانا ہے۔ تقویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ انسان ہر لمحہ اللہ کے قریب ہو، اس کی نافرمانی سے بچے اور اس کے احکامات پر عمل

کرے۔ گویا روزہ ایک تربیتی عمل ہے جو بندے کو اللہ کی رضا کی راہ پر لے آتا ہے۔ روزہ نہ صرف روحانی بلکہ جسمانی فوائد سے بھی بھرپور ہے۔ طبّی سائنس بھی تسلیم کرتی ہے کہ روزہ جسم کو زہریلے مادوں سے پاک کرتا ہے، ہاضمے کے نظام کو آرام دیتا ہے اور قوتِ مدافعت کو مضبوط بناتا ہے۔ آج کل ''فیٹی لیور'' بہت بڑا مرض بن کر سامنے آیا ہے۔ اس کا شکار ہر عمر کے افراد ہیں۔ ہماری روزمرہ کی غذائوں میں ڈیپ فرائڈ غذا کا عنصر بہت بڑھ گیا ہے جو جگر کے مساموں کو چربی سے بند کرنے کا سبب بن رہی ہے۔ اس مرض کا شکار افراد کو ڈاکٹرز کی طرف سے جو پہلی تجویز دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ تلی ہوئی چیزوں سے گریز کریں اور اپنے معدے کو ریسٹ دیں یعنی دو کھانوں کے درمیان وقفے کو بڑھا دیں، اس وقفے سے بتدریج جگر کی چربی زائل ہونا شروع ہو جاتی ہے اور انسان اس مرض سے نجات پا جاتا ہے۔ روزہ فیٹی لیور کے مرض سے نجات کا بہترین علاج ہے۔ روزہ لاتعداد روحانی و طبّی فوائد کا حامل ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ نے روزے کے فیوض و برکات کے حوالے سے نہایت ایمان افروز گفتگو فرمائی ہے۔ آپ کہتے ہیں اللہ رب العزت نے رمضان المبارک کے مہینے میں جنتی بننا آسان کر دیا ہے، جیسے ہی رمضان المبارک کا آغاز ہوتا ہے تو اللہ رب العزت 3 فیصلے فرماتا ہے۔ (1) جنت اور آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں (2) دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں (3) شیطان کو جکڑ دیا جاتا ہے (4) آسمانوں کے دروازے کھولنے کا مطلب یہ اشارہ ہے کہ اللہ پاک کی رحمتوں، نعمتوں اور برکتوں کے سارے دروازے کھل جاتے ہیں یعنی اللہ کے فضل و کرم کا دروازہ رحمت و بخشش اور مغفرت کا دروازہ، قربت الٰہی کا دروازہ یہ سب دروازے کھل جاتے ہیں تاکہ بندہ ان مقدس ایام میں تائب ہو کر اللہ کی اطاعت و بندگی میں آجائے۔ شیطان کو جکڑ دینے کا تصور بھی یہی ہے کہ توبہ کرنے والا بندہ بلا رکاوٹ اللہ کی حضوری میں پیش ہو جائے۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں اس رمضان المبارک کے زیادہ سے زیادہ فیوض و برکات سمیٹنے کی توفیق بخشے اور ہم حضور نبی اکرم ﷺ کی مبارک سیرت اور معمولات کے مطابق زیادہ سے زیادہ وقت عبادت و ریاضت میں صرف کر سکیں۔ اس ماہِ مبارک میں اللہ کی خوشنودی کے لئے مستحقین کی ضروریات کا بھی خیال رکھا جائے۔ عزیز و اقارب اور ہمسایوں کی خبر گیری کرتے رہیں کہ کوئی مالی مشکلات کے باعث لوگ رمضان المبارک کی عبادت و ریاضت سے محروم نہ رہ جائے۔

(ایڈیٹر دختران اسلام)

علم میں درستگی اور پختگی کیسے؟

خصوصی خطاب: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

ترتیب وتدوین: ثناء وحید، حافظہ سحر عنبرین

انسانی زندگی کے جملہ امور خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو، معاملات سے ہو یا علوم وفنون سے ہو، ان سب امور کو بجالانے کے کچھ آداب وطرق ہوتے ہیں جن کو ملحوظ خاطر رکھے بغیر وہ کام صحیح نہیں ہوتے۔ مثلاً: نماز اللہ کی عبادت ہے، اس کی کچھ شرائط، فرائض، واجبات اور آداب ہیں۔ جس وقت تک نماز کی شرائط، فرائض اور واجبات کو ملحوظ نہیں رکھا جائے گا، یہ عبادات رائیگاں جائیں گی۔ یہی اصول تمام اعمال پر وارد ہوتا ہے۔ تحصیلِ علم پر بھی یہی اصول وارد ہوتا ہے اور یہ اصول "تعلم" ہے۔

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں باب العلم قبل القول والعمل میں آقا ﷺ کی ایک حدیث کا حصہ: إِنَّمَا العِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ درج فرمایا ہے۔ یہ مکمل حدیث اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ سے مروی ہے کہ آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انما العلم بالتّعلم والفقه بالتفقه.

"علم صرف تعلم سے اور فقہ؛ تفقہ کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔" (المعجم الکبیر، الرقم: 929)

حضور نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان عالیشان سے معلوم ہوا کہ وہ علم معتبر نہیں جو تعلم کے بغیر ہو۔ علم اپنے آپ کتابیں پڑھ کر یا مطالعہ کرکے حاصل نہیں ہوتا بلکہ وہ علم جس میں ثقاہت واعتماد ہو،

جو صحیح، ثقہ اور پختہ ہو اور جس علم کو مرجعِ عالم بنایا جاسکے یعنی اس کے فتویٰ اور ترجیح و تشریح پر اعتماد کیا جاسکے۔ ایسا معتمد علم؛ تعلّم و تفقہ کے مرحلے سے گزرے بغیر کبھی حاصل نہیں ہوتا۔

تعلّم ایک Procedure (کئی عوامل کا مجموعہ) ہے۔ علم کا تعلق اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے حصول اور معرفتِ دین سے ہے تو اس کی غرض و غایت اور نیت بھی خالصتاً لوجہ اللہ (مکمل طور پر اللہ کی رضا کی خاطر) ہونی چاہیے اور اگر اس کے پیچھے دنیاوی اغراض و مقاصد یا دنیا کی لالچ و طمع ہو، امراء سے مال بٹورنا ہو، سلاطین اور بادشاہوں کے دربار میں قرب حاصل کرنا ہو، دوسرے علماء پر تفوق و برتری ثابت کرنے کے لئے ہو، اپنا مرتبہ و مقام بنانے اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ہو، تکبر و رعونت کا سبب بنے اور حصولِ عزت و جاہ و منصب کے لئے ہو تو یہ علم جو آخرت کے لئے نفع مند تھا، وہ جہنم میں جانے کا باعث بن جائے گا اور اس علم میں فسادات، خرابیاں اور ہلاکتیں ہوں گی۔

صحیح مسلم کی حدیث مبارکہ کے مطابق جو شخص علم حاصل کرتا ہے اور خیر کی طرف دعوت دیتا ہے تو دعوت قبول کر کے خیر پر عمل کرنے والے ہر شخص کو اس نیک عمل کا اجر ملتا ہے اور جب تک یہ نیک اعمال ہوتے رہیں گے، دعوت دینے والوں کو بھی اجر و ثواب ملتا رہے گا اور عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ اسی طرح اگر ایک شخص کے ذریعے علم، عقیدے، اخلاق اور عمل میں بگاڑ یا گمراہی پھیل جائے تو اس کو اپنے عمل کا گناہ تو ملے گا مگر اس سے متاثر ہو کر جتنے لوگ اس گمراہی میں جائیں گے تو ان سب کا گناہ اس گمراہی پھیلانے والے شخص کو بھی ملے گا اور عمل کرنے والوں کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہیں ہو گی۔

گویا جس طرح علمِ نافع صدقہ جاریہ ہوتا ہے، اسی طرح علمِ غیر نافع یا برا علم عذابِ جاریہ ہوتا ہے۔

آدابِ تَعَلُّم

امام غزالی، امام نووی اور دیگر ائمہ نے اپنی کتب میں معلم، تعلیم اور تعلم کے آداب پر ابواب قائم کیے ہیں۔ ذیل میں ان ائمہ کی کتب سے اکتسابِ فیض کرتے ہوئے تعلم کے حوالے سے چند بنیادی نکات درج کیے جارہے ہیں:

(1) معلم اپنے علم و فن میں متخصِّص ہو

امام نووی فرماتے ہیں کہ کسی ایسے شخص سے علم حاصل نہ کیا جائے جس کی اہلیت علم میں کامل نہ ہو چکی ہو اور جس کی شخصیت میں دیانت، دینداری، دین پر عمل، نیکی، تقویٰ، پرہیزگاری، حلم، خوش

خلقی، عبادت گزاری، زہد، ورع، اوامر و نواہی کی پابندی، ظاہری و باطنی آداب و اخلاق اور اچھے خصائل پیدا نہ ہو چکے ہوں۔

(النووی، المجموع شرح المھذب، 1: 36)

یعنی استاد ایسا ہو جو تعلم اور اخلاق و آداب کے تمام مراحل خود طے کر چکا ہو اور اس کے اندر مہارتِ تامہ پیدا ہو گئی ہو۔ جس سے علم حاصل کرنا ہے، ضروری ہے کہ اسے علم دین اور قرآن و سنت میں فہم کامل ہو اور معرفت و گہرائی حاصل ہو۔ اگر وہ خود علم میں کامل نہیں ہے تو اس سے علم حاصل نہ کیا جائے۔

> تعلم کے بغیر حاصل ہونے والا علم معتبر نہیں، فقط کُتب بینی سے ثقہ و مستند علم حاصل نہیں ہوتا

مثلاً: اگر کسی سے تفسیر کا علم حاصل کرنا ہے تو وہ اصولِ تفسیر اور علوم التفسیر پر ماہر ہو۔۔۔ اگر حدیث کا علم حاصل کرنا ہے تو اصولِ حدیث، علوم الحدیث، ناسخ و منسوخ اور اقسام الحدیث پر گہری نظر رکھتا ہو۔۔۔ اگر فقہ لینی ہے تو اصول فقہ اور ادلّہ اربعہ پر اسے مہارتِ تامہ ہو۔۔۔ الغرض جو علم و فن کسی بھی استاد سے لینا ہے تو پہلے اس بات کو یقینی بنالیں کہ اس استاد کا مقام و مرتبہ اس علم و فن میں مسلم ہے اور اس کے اندر پختگی، ایقان، تمکن اور مضبوطی موجود ہے، پھر اس کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کریں۔

ہر شخص ہر مضمون پڑھانے کا اہل نہیں ہوتا۔ بد قسمتی سے ہم نے دین کو مذاق بنا لیا ہے۔ ہم کیمسٹری کے استاد سے فزکس نہیں پڑھتے، سرجری والا ڈاکٹر؛ میڈیکل یعنی ادویات کے متعلق نہیں پڑھاتا، زوالوجی کا استاد، Botany نہیں پڑھاتا۔ اسی طرح کمپیوٹر سائنسز، مینجمنٹ سائنسز، سپیس سائنسز، ڈپلومیسی، سوشیالوجی، سائیکالوجی الغرض جس فیلڈ میں چلے جائیں ہر مضمون کا الگ الگ ماہر ہوتا ہے جو اس مضمون کو پڑھاتا ہے اور اس مضمون میں اسے مہارت حاصل ہوتی ہے۔ ہم دنیاوی علوم میں خصوصی مضمون خصوصی ٹیچر سے ہی پڑھتے ہیں اور اس مضمون کو کسی ماہر استاد سے پڑھے بغیر اس مضمون میں مہارت حاصل نہیں کر سکتے۔

(2) کیا علم کا حصول محض مطالعہ کتب سے ممکن ہے؟

صرف کتابیں پڑھ کر ہمیں کوئی ڈگری دیتا ہے اور نہ ہمیں کوئی اس مضمون کا Specialist مانتا

ہے۔ اگر خالی کتابوں کا علم معتبر ہو تو میڈیکل کالج بند کر دیے جائیں کیونکہ ہر مضمون کی کتاب مارکیٹ میں دستیاب ہے۔ ہم خود پڑھ لیں اور ڈاکٹر بن کر کلینک کھول لیں۔ انجینئرنگ و ٹیکنالوجی اور دیگر علوم کے کالجز اور یونیورسٹیاں بند کر دی جائیں کیونکہ ہر مضمون پر لاکھوں کتب، ہزاروں لائبریریاں اور آن لائن لائبریریاں موجود ہیں تو پھر کیوں نہ کمپیوٹر کھول کر دنیا بھر کی کتب پڑھ کر ڈگری حاصل کر لی جائے۔ کوئی ایک محکمہ تو دنیا میں ہو جو ہمیں صرف کتابیں پڑھنے پر ڈگریاں دیتا جائے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ ہم سکول و کالج کیوں جاتے ہیں؟ سولہ سال تعلیم پر لاکھوں روپے کیوں خرچ کرتے ہیں؟ درحقیقت کتابیں پڑھنے کے لیے بھی ایک رہنما اور استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ تحقیق و تخریج اور لکھنے کا ہنر بھی گائیڈ اور استاد ہی سکھاتا ہے جیسا کہ ایم فل اور Ph.D (پی ایچ ڈی) لیول پر ایک گائیڈ ہوتا ہے جو ہمیں تحقیق کرنا اور کتابوں کے اسالیب سے متعارف کرواتا ہے کہ کتاب کو کس طرح پڑھنا اور کس طرح اس سے اخذ کرنا ہے؟ کس طرح theme (بنیادی خیال) بنانا ہے؟ کس طرح Outline (خاکہ) بنانی ہے؟ کس طرح thesis تیار کرنا اور اسے Establish کرنا ہے؟ اس سے نتائج کس طرح اخذ کرنا ہیں؟ الغرض کوئی بھی چیز استاد کے بغیر پایہ تکمیل تک نہیں پہنچتی۔

> **جس شخص کی اہلیتِ علم کامل نہ ہو اُس شخص سے علم حاصل نہ کیا جائے:**
>
> **امام نووی رحمتہ اللہ علیہ**

دنیاوی علوم تو ہم استاد کے بغیر نہیں سیکھتے مگر دوسری طرف دینی علوم کے حوالے سے ہمارا طرزِ عمل یہ ہے کہ دینی علوم صرف سوشل میڈیا اور کمپیوٹر سے کسی استاد اور شیخ کے بغیر حاصل کرنے کے خواہاں ہیں اور حاصل کرتے ہیں۔ ہر بندہ؛ عالم، داعی، استاد، مبلغ، محدث، مفسر اور فقیہ ہے۔ اتنا بڑا ظلم تاریخ میں دنیا کے کسی علم کی کسی بھی شاخ کے ساتھ نہیں ہوا تھا جو ظلم علمِ دین کے ساتھ ہو رہا ہے۔

دنیاوی تعلیم کے لیے بچپن سے ہم اپنے بچے کو پلے گروپ اور نرسری سے تعلیم کا process (سلسلہ) شروع کرواتے ہیں۔ اسے استاد کتابیں پڑھاتے اور سمجھاتے ہیں پھر سولہ سالوں میں یہ سلسلۂ تعلیم مکمل ہوتا ہے۔ ہم کبھی براہِ راست خود سے پڑھ کر دنیاوی علوم بھی حاصل نہیں کر سکتے اور نہ ہی یہ سمجھ میں آتے ہیں۔ یہی اصول ہمیں حصولِ علمِ دین پر بھی لاگو کرنا ہوگا۔

تعلم کی اسی اہمیت وافادیت کے پیشِ نظر ہی امام بخاریؒ نے اِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ کے الفاظِ حدیث کو باب کے عنوان میں بیان فرمایا ہے کہ علم سیکھنے اور اساتذہ سے اکتساب فیض سے آتا ہے۔ وہ ہمیں ہر علم کی ابجد سے شروع کرواتے ہیں اور ایک طویل عرصے تک محنت ومشقت کے بعد اس میں ماہر بناتے ہیں۔

یہاں اس امر کی وضاحت بھی کرتا چلوں کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ حصولِ علمِ دین بغیر استاد کے ناممکن ہے، تو اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ دین پر عام مسلمان کا کوئی حق نہیں۔ یاد رکھیں! نصیحت، اصلاحِ نفس، اصلاحِ معاشرہ، اصلاحِ اخلاق اور اوامر ونواہی کی آگاہی کے باب میں دین ہر شخص کے لیے ہے کہ وہ جانے کہ نیکی اور بدی میں فرق کیسے جاننا ہے۔۔۔؟ فرائض کو کیسے ادا کرنا ہے۔۔۔؟ حرام کو کیسے چھوڑنا ہے۔۔۔؟ والدین کی خدمت، بڑے کی عزت، چھوٹے پر شفقت، خوش خلقی، حسنِ معاشرت اور دوسروں سے حسن سلوک کیسے کرنا ہے۔۔۔؟ یہ وہ سادہ چیزیں ہیں جو کتابوں سے سیکھی جاسکتی ہیں اور ایک عام آدمی بھی ہمیں سکھا سکتا ہے۔ مگر اس موقع پر جس علم کی بات میں کر رہا ہوں، اس سے مراد وہ فن ہے جس سے ایسا سکالر، محدث، مفسر، فقیہ، مفتی، محقق اور عالم بنتا ہے جس سے ہم کسی Subject (مضمون) پر کتب پڑھ سکتے ہیں اور پھر یہی استاد، پروفیسر، ڈاکٹر، SPECIALIST اور مضمون کا ماہر لوگوں کا رہنما بنتا ہے اور لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں۔

تفسیر کے علم کیلئے علوم التفسیر کے ماہر، حدیث کے علم کے لئے اصولِ حدیث کے ماہر اور فقہی علم کیلئے اصولِ فقہ کے ماہر سے علم حاصل کریں

تعلّم باب تفعُّل پر ہے اس میں تدرُّج بھی پایا جاتا ہے یعنی Step by Step درجہ بہ درجہ اوپر جانا۔ پہلے ایک فن، پھر دوسرا فن، پھر تیسرا فن، ایک کتاب کے بعد دوسری کتاب اور اسی طرح پہلے متن اور پھر اس کی شروح وغیرہ پڑھنا۔ دینی علوم وفنون پر اساتذہ کے بغیر مہارت حاصل نہیں ہوتی۔ اگر یہ علم اساتذہ کے بغیر ہوگا تو گمراہی کا باعث بنے گا۔ دنیاوی علم اساتذہ کے بغیر حاصل کیا جائے تو اس سے گمراہی نہیں ہوتی اور نہ اس ان سے آخرت خراب ہوتی ہے۔ لیکن علمِ دین چونکہ ہدایت وضلالت سے متعلق ہے۔ اس لئے اس کی شرائط اور قواعد بیان کئے گئے ہیں اور تعلّم اس کے لیے سب سے بڑا اصول اور شرط ہے۔

(3) علمِ دین کس سے حاصل کریں؟

آقا ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

سیکون فی آخر امتی اناس یحدثونکم مالم تسمعوا انتم ولا آبائکم فایاکم وایاھم.

(مسلم، الصحیح، مقدمہ، 1: 12، رقم:6)

یعنی آخری زمانے میں میری امت میں ایسے لوگ آئیں گے جو تمہیں دین کا علم پہنچائیں گے اور تمہارے آگے علم روایت کریں گے، علم بیان کریں گے اور ایسی باتیں تم سے کہیں گے جو تم نے کبھی سنی ہوں گی اور نہ ہی تمہارے آباؤاجداد نے سنی ہوں گی۔ ان سے بچنا۔

آقا ﷺ اپنے اس فرمان میں اس رشتۂ علم کی ایک سند کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ جن کا علم اکابر کی نسلوں اور ان کے قرون سے منتقل نہیں ہوا ہوگا، ان سے علم حاصل نہ کرنا۔ اس لیے کہ یہ لوگ اپنی طرف سے، اپنی خواہشات نفس، اپنی رائے اور اپنی فہم سے کوئی بات گھڑ لیں گے اور اسے دین کا نام دے دیں گے۔ آپ ﷺ نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

یرث ھٰذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تاویل الجاھلین وانتحال المبطلین و تحریف الغالین.

(البیھقی، السنن الکبری، 10: 209، رقم:20700)

یعنی چاہیے کہ میرا علم دین جو میں تمہیں دے رہا ہوں، یہ ہر زمانے میں، ہر نسل میں عادل لوگ ایک نسل سے اگلی نسل تک منتقل کریں۔ ایسے لوگ جو غلو کرنے والوں کی تحریف سے میرے دین کو بچاتے رہیں اور اس کے ابطال کرنے والوں سے میرے دین کو بچاتے رہیں، ان سے علمِ دین حاصل کرو۔ کم علم اور جاہل لوگ علمِ دین کے غلط معنی نکالیں گے تو عادل لوگ ان سے میرے دین کو بچائیں گے۔ لہذا انہی عادل لوگوں سے علم حاصل کرنا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ مجھے آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یابن عمر دینك دینك انما ھو لحمك و دمك فانظر عمن تاخذ خذ عن الذین استقاموا و لاتاخذ عن الذین مالوا.

(الخطیب البغدادی، الکفایۃ فی علم الروایۃ، 1: 121)

یعنی تمہارا دین؛ دین ہے، اسے ہلکا نہ سمجھنا، یعنی ہلکی متاع اور کم دولت نہ سمجھنا۔ وہ تمہارے خون، گوشت اور تمہاری زندگی میں زیادہ اہم ہے۔ پس یہ دیکھو یہ دین کس سے لے رہے ہو؟ دین کی معرفت کس سے لے رہے ہو؟ میرے دین کا علم صرف ان لوگوں سے لو جو صاحبانِ استقامت ہیں۔

گویا دین ان سے نہ لو جو نفس اور دنیاوی اغراض کی طرف جھکتے ہیں اور حق اور استقامت کی راہ سے ہٹ جاتے ہیں۔ دین لینے سے پہلے اس شیخ اور استاد کے عمل، تقوی، استقامت، عدالت، ثقاہت، پرہیز گاری اور تمکن کو دیکھو۔

خطیبِ بغدادیؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک قول روایت کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے مسجد کوفہ میں خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

انظروا عمن تاخذون ھٰذا العلم فانما ھوالدین.

(الخطیب البغدادی، الکفایۃ، فی علم الروایۃ، 1: 121)

یعنی لوگو یہ دیکھو کہ تم کتاب و سنت، حدیث اور فقہ کا علم کن لوگوں سے لے رہے ہو۔ یہ علم ہی دین ہے۔

حصولِ علمِ دین کے لیے ایسا نہیں ہے کہ جو کتاب کسی نے لکھ دی، وہ اٹھا کر پڑھ لی اور جو سامنے مسند پر بیٹھ گیا، اسے سن لیا اور جس نے خطاب کیا، اسے سن لیا۔ ایسا نہ کرو کیونکہ یہ علم؛ تمہارا دین ہے۔ اس سے تمہاری ہدایت، ضلالت، نجات اور ہلاکت وابستہ ہے۔

(4) دین میں سند کی اہمیت

جلیل القدر تابعی علامہ محمد ابن سیرینؒ فرماتے ہیں:

ان ھٰذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم.

(مقدمہ مسلم شریف، 1: 14)

”یہ علمِ اسناد خود دین ہے، اس لئے پہلے غور سے دیکھیں کہ یہ دین کس سے لے رہے ہو۔“

یعنی علمِ دین کے بارے میں پہلے یہ دیکھنا ہے کہ کس سے لے رہے ہیں اور یہ بعد میں دیکھنا ہے کہ کیا لے رہے ہیں؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر علم حدیث، تفسیر اور فقہ کا شیخ قابل اعتبار نہیں تو اس کی

کوئی بات بھی قابل اعتبار نہیں۔ یہ دیکھنا کہ ”کس سے لے رہے ہیں؟“ یہ علم اسناد ہے کہ ہم جس شیخ سے سن رہے ہیں، اس نے کس سے سنا اور اس کے شیخ نے کس سے سنا اور اس طرح اوپر تک ثقہ راویوں کا ہونا ضروری ہے۔

امام عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا:

الاسناد من الدین ولولا الاسناد لقال من شاء ماشاء.

(مقدمۃ مسلم، الصحیح، ج:1، ص:15)

”اسناد؛ دین میں سے ہیں۔ اگر اسناد نہ ہوتیں تو ہر شخص جو چاہتا وہ کہہ دیتا۔ لوگوں کے درمیان اور ہمارے درمیان جو مضبوط ستون ہیں، وہ اسناد ہیں۔ یعنی دین کی بنیاد ان ستونوں پر قائم ہوتی ہے۔“

ابن رجب حنبلیؒ نے امام عبداللہ ابن مبارک کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی امت کے اوپر اسانید کی حفاظت کی ہے تاکہ علم سند کے ساتھ آگے منتقل ہو۔

(ابن رجب الحنبلی، شرح علل الترمذی، ص:664)

پس تعلّم کی شرائط میں سے یہ شرط ہے کہ علم سند سے آگے منتقل ہو۔ اسناد؛ اشخاص ہیں کہ کون سا آدمی معتبر، متقی، صادق، امین اور عادل ہے۔ پہلے اس کی تحقیق کرلو پھر اس کے بیان کردہ متن کو دیکھو کیونکہ متن کا مدار اس شخصیت پر ہے جو اسے روایت کر رہا ہے۔ متّصل سند کا حاصل کرنا بھی دین ہے کہ کہیں بے نسب دین نہ آجائے۔ اسناد کو علم کا نسب کہتے ہیں جو تعلّم کے طریق سے آتا ہے۔ پھر اس کے حدود و قیود متعین ہوتے ہیں اور اس کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا تعین ہوتا ہے۔

(5) علم صرف کثرتِ معلومات کا نام نہیں ہے

امام نووی آدابِ تعلّم کے حوالے سے فرماتے ہیں:

جس کو اپنا استاد یا شیخ منتخب کریں اس کے بارے میں یہ یقین حاصل کرلیں کہ اس کے پاس صرف معلومات کی کثرت نہ ہو بلکہ علم کی کثرت ہو، گہرائی اور تعمق ہو اور اپنے علم و فن کے علاوہ اسے دیگر متعلقہ علوم و فنون پر بھی ضروری حد تک ملکہ ہو۔ کیونکہ یہ تمام علوم آپس میں جڑے ہوتے ہیں۔

(النووی، المجموع شرح المھذب، 1: 36)

اس لیے کہ کبھی ہم حدیث پڑھ رہے ہیں تو اس کا گہرا تعلق علوم قرآن و تفسیر کے ساتھ ہوتا ہے۔۔۔ تفسیر پڑھ رہے ہیں تو اس کا گہرا تعلق علم الحدیث سے ہوتا ہے۔۔۔ فقہ پڑھ رہے ہیں تو اس کا گہرا تعلق حدیث سے ہوتا ہے۔۔۔ اگر حدیث پڑھ رہے ہیں تو اس کا گہرا تعلق درایت اور اخذ فقہ سے ہوتا ہے۔ پس کوئی استاد جس فن کا ماہر ہے، اس سے وہی پڑھیں مگر شرط ہے کہ اسے دیگر فنون پر بھی

ضروری حد تک مہارت ہو تاکہ جب تلامذہ کو دیگر علوم سے تصور واضح (concept clear) کرنے کی ضرورت پڑے تو استاد ان علوم کے ذریعے بھی واضحیت دیتا ہوا نظر آئے۔ الغرض جتنے فنون مشروعہ ہیں، اساتذہ کی ضروری حد تک ان پر گرفت ہو کیونکہ یہ تمام علوم آپس میں مربوط ہیں۔

مزید کہ اس معلم کے پاس تجربہ ہو، مہارت ہو، اخلاق خوبصورت ہوں اور اس کا ذہن صحیح ہو۔ اس لیے کہ طالب علم؛ استاد کے ذہن سے متاثر ہوتا ہے، استاد کے خلق سے متاثر ہوتا ہے۔ استاد کی زبان، علم و فن، نظریات و رجحانات اور اس کے شب و روز کے تمام اطوار طلبہ پر اثر ڈالتے ہیں۔ اسی لئے امام نووی نے فرمایا کہ استاد کے ذہن کو بھی دیکھو، اس کے اخلاق، دیانت، تجربہ، مہارت اور وسعتِ علم کو بھی مد نظر رکھو۔

(6) حصولِ علمِ دین کے لیے اساتذہ کیوں ضروری ہیں؟

امام نووی اور دیگر ائمہ نے فرمایا کہ جس سے اکتسابِ علم کر رہے ہیں، اس کی اطلاع تام بھی ہو۔ ائمہ نے ایسے شخص سے علم لینے سے منع کیا جس نے صرف کتابوں سے پڑھ کر عقیدہ و تصورات بنا رکھے ہیں۔ ایسے لوگوں سے وعظ و خطاب سنو اور عام معاشرت کی تربیت سنو، اس میں مضائقہ نہیں۔ یعنی جس علم میں معاشرت و معیشت ہو، وہ ان سے لے لیں مگر جب ایسے دائرہ علم میں جانا چاہیں جس سے عقیدے متعین ہوتے ہیں، جس سے اصول و نظریات وضع ہوتے ہیں، جس سے احکام اخذ ہوتے ہیں، جس سے جائز و ناجائز اور حلال و حرام حتی کہ صحیح اور غلط کا اطلاق ہوتا ہے تو یہ علم ایسے شخص سے ہرگز نہ لیں جس نے علم اساتذہ کے بغیر از خود محض کتابوں سے لیا ہوا ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ جس شخص نے خود شیوخ و اساتذہ کے سامنے بیٹھ کر نہیں پڑھا اور اپنے فن کے ماہر، عادل اور صالح استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیے بلکہ از خود کتابیں پڑھ کر عالم بن گیا، اس سے علم نہ لیں، وہ آپ کو گمراہ کرے گا، کیونکہ وہ اس علم و فن کی حدود و قیود سے ناواقف ہے۔ اسے نہیں معلوم کونسی چیز لینی ہے اور کونسی نہیں لینی۔۔۔؟ کسی لفظ یا اصطلاح کے کتنے معانی ہیں اور کون سے معنی کو ترجیح دینا ہے۔۔۔؟ کس معنی کا کس موقع پر اطلاق کرنا ہے۔۔۔؟ اس لیے کہ اس نے صرف کتب کے ترجمے پڑھے ہیں۔ اگر محض عبارت پڑھنے سے قرآن مجید سے اصلاح لینا ممکن ہوتا تو کوئی تفسیر قرآن نہ لکھی جاتی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے دور سے تفسیریں لکھنا شروع ہوئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اور پھر ان کے شاگردوں نے تفاسیر لکھیں۔ جیسا کہ حضرت سعید بن جبیر، حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم جیسے تابعین نے تفاسیر لکھیں۔ پھر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، ہزارہا تفاسیر لکھی گئیں۔ یہ تفسیریں کیوں لکھی گئیں؟ اس لیے

کہ اگر محض قرآنی آیات سے سب کچھ سمجھ آجاتا تو کوئی تفسیر نہ لکھتا۔ سلف صالحین منع کر دیتے کہ ہمیں قرآن کافی ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ پورا قرآن سمجھنے کے لئے تفسیر کی ضرورت پڑتی ہے۔

قرآن مجید عربی زبان میں ہے جسے ہم نہیں جانتے۔ ہم نے ترجمے سے اسے سمجھنا ہے۔ یہ ترجمہ کس نے کیا ہے اور تفسیر کس نے کی ہے؟ ہر آدمی کا اپنا مزاج و مسلک ہے اور وہ اپنے نظریات کے مطابق ترجمہ و تفسیر کرتا ہے اور اس سے انحراف نہیں کرتا۔ اسی طرح حدیث میں کچھ مشکل عبارات اور ادق کلمات ہیں جو از خود سمجھ نہیں آتے۔ اگر یہ سمجھ آنے والے ہوتے تو امام بخاری صحیح بخاری کے اندر احادیث سے پہلے ترجمۃ الباب مقرر نہ کرتے اور حدیث بیان کرنے سے پہلے اس کے مفاہیم واضح نہ کرتے۔ حدیث کی شرح نہ لکھی جاتی۔ تمام کتب حدیث کی شروح لکھی گئیں۔ ہزار ہا کی تعداد میں حواشی لکھے گئے اور یہ کام بڑے بڑے نامور ائمہ نے کیا۔

> **جلیل القدر تابعی علامہ محمد ابن سیرینؒ فرماتے ہیں پہلے یہ دیکھیں کہ جس سے علم حاصل کر رہے ہیں اُس کی ثقاہت اور مقام و مرتبہ کیا ہے؟؟**

اگر سارے احکام قرآن و حدیث سے براہِ راست سمجھ آجاتے تو امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کا وجود نہ ہوتا اور نہ ہی مذاہب بنتے۔ ان ائمہ نے قرآن و حدیث سے احکام اخذ کر کے مذاہب مرتب کئے اور فقہ کا علم وضع کیا اور یہ امت پر ان کا احسان ہے۔ امام شافعیؒ کئی سال امام مالکؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے ہیں، پھر بغداد میں امام اعظم ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانیؒ کی خدمت میں دس سال تلمذ کرتے ہیں۔ پھر امام شافعی کی خدمت میں امام احمد بن حنبل بیٹھتے ہیں ان سے اکتسابِ علم کرتے ہیں مگر اپنا فقہی مذہب الگ بناتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ؛ امام شافعی سے اکتسابِ فیض کے بعد قاضی ابو یوسف (امام اعظم ابو حنیفہ کے نامور شاگرد) کی مجالس میں بیٹھے اور اس طرح امام اعظم ابو حنیفہؒ کے پوتے شاگرد بن گئے۔ پھر امام بخاریؒ؛ امام احمد بن حنبل کے شاگرد بن گئے، وہ ان سے پڑھتے تھے اور صحیح بخاری بھی ان کی خدمت میں پیش کر کے اس کی توثیق کروائی تھی۔

اگر یہ ائمہ فقط کتابیں پڑھ کر ائمہ نہیں بن سکتے تو ہم کون ہیں کہ محض کتابیں پڑھ پڑھا کر عالم بن جائیں اور لوگوں کو تعلیم دیں۔ ائمہ کرام کے احوالِ زندگی پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ ان ائمہ کے متعدد

شیوخ اور اساتذہ ہوتے تھے، جن کے پاس یہ زندگی گزارتے تھے اور تعلیم کے ایک process (طریقہ کار) سے گزرتے تھے۔ اسی مفہوم کو امام بخاریؒ نے اِنَّمَا العِلمُ بِالتَّعلُّم اور 'انما الفقہ بالتفقہ' کے الفاظ حدیث کے ذریعے بیان کیا ہے۔

یہ چند نمونے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کوئی ایک امام بھی اس وقت تک امامت علم کے درجے پر فائز نہیں ہوا جب تک وہ متعدد شیوخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے مرحلہ وار تعلم و تفکر کے عمل سے نہیں گزرا۔ اسی لئے ائمہ فرماتے ہیں کہ کسی ایسے شخص سے نصیحت اور عام اصلاح کی باتیں تو لے لیں مگر وہ علم نہ لیں جن سے رائے، نظریہ اور فقہ قائم کرنی ہے۔ پس ایسے شخص سے علم نہ لیں جس نے علم کو سند سے نہیں لیا اور جس کے پاس علم کا نسب نہیں ہے۔

(7) محض کتب سے حصولِ علم کے نقصانات

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص صرف کتابوں سے علم لیتا ہے، اس کے علم میں بڑی غلطیاں، گمراہی اور مغالطے ہوتے ہیں۔ اسے اپنے علم کی صحیح Application (اطلاق) نہیں آتی اور اس کے پاس تشریح اور اس سے جزئیات نکالنے کا علم نہیں ہوتا۔ پس ایسا شخص علم کو نقصان پہنچاتا ہے لیکن جو شخص حاذق استاد سے علم حاصل کرتا ہے، وہ گمراہی اور بھٹکنے سے محفوظ ہو جاتا ہے اور جو شخص صرف کتابوں سے علم حاصل کرتا ہے، اس کا علم کالعدم ہوتا ہے۔ (النووی شرح المهذب، 1: 36)

امام الآجری نے سورۃ النساء کی آیت 95: يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنكُمۡ کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ "حضرت عطاء (حضرت عبداللہ بن عباس کے شاگرد) فرماتے ہیں کہ کتاب و سنت کے علم کو ہمیشہ اپنے زمانے کے بڑے اعلیٰ ائمہ، محدثین، علماء اور فقہا سے حاصل کرو۔ اسی علم کو علمِ صحیح کہتے ہیں اور جو علم اکابر کی سند کے بغیر آتا ہے، اسے قبول نہ کرو۔" (اللالکائی، شرح اصول اعتقاد اهل السنة والجماعة، 1: 72، رقم: 75)

اس کے بعد امام آجری؛ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ لوگ اس وقت تک خیر پر رہیں گے جب تک وہ علم اکابر سے حاصل کرتے رہیں گے۔ (اللالکائی، شرح اصول اعتقاد و اهل السنة والجماعة، 1: 74، رقم: 100)

اکابر سے مراد بوڑھا ہونا نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد Authorities (ثقہ علماء)، متفنن اور متمکن علماء ہیں۔ یعنی لوگ اس وقت تک خیر و بھلائی پر رہیں گے جب تک وہ علم؛ ماہرینِ علم اور حاذق اساتذہ سے حاصل کرتے رہیں گے اور ازخود یا محض کتابیں پڑھ کر رائے قائم نہیں کریں گے۔

پھر امام آجری؛ حضرت سعید بن وہب کا قول نقل کرتے ہیں کہ اس وقت تک لوگ بچے رہیں گے، خیر پر رہیں گے جب تک علم؛ اکابر سے Process (طریقہ کار) کے ذریعے ان تک آئے گا اور وہ خود کو اکابر کی دی ہوئی حدود و قیود کے اندر رکھیں گے اور جب وہ اکابر سے علم لینا بند کریں گے اور اصاغر سے لیں گے تو وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ (اللالکائی، شرح اصول اعتقاد اهل السنة والجماعة، 1: 84، رقم: 101)

حضرت ابوامیہ بھی یہی بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اکابر کو چھوڑ کر چھوٹوں سے علم حاصل کرنا قیامت کی نشانیوں میں سے ہو جائے گا۔" (اللالکائی، شرح اصول اعتقاد اهل السنة والجماعة، 1: 85، رقم: 106)

اصاغر سے مراد عمر میں چھوٹا نہیں ہے بلکہ وہ شخص ہے جس نے علوم و فنون کے مراحل؛ تدرج، تعلم اور تفقہ کے بغیر اور اساتذہ کی سند، قواعد اور اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے بغیر حاصل کیے ہیں۔ یعنی علم کو پوری مہارت سے نہیں پڑھا اور اکابر نے جو توضیح و تشریح کی تھی اس کے اندر اپنی رائے کو بند نہیں رکھا۔ جب ایسے اصاغر سے علم لیا جائے گا تو انجام ہلاکت ہو گا۔

لہٰذا اہلِ علم جب قرآن مجید کی تفسیر کر رہے ہوں تو کبھی نہ بھولیں کہ امام رازیؒ، امام قرطبیؒ، امام سیوطی، امام بغوی، امام خازن، امام مکی، امام طبرانی رحمھم اللہ اور دیگر مفسرین نے اس ضمن میں کیا کہا۔ یعنی اکابر کو دیکھیں اور جو حدود و قیود انہوں نے متعین کی ہیں، اسے سامنے رکھتے ہوئے آج کے حالات اور تقاضوں کے پیشِ نظر تفسیر کریں۔

(8) علمِ دین کی حفاظت ماضی سے جڑے رہنے میں ہے

یاد رکھیں! علمِ دین کے بارے میں ہمیشہ ماضی کو ہاتھ میں رکھیں اور مستقبل کو Address (مخاطب) کریں۔ قدیم و جدید کو جوڑیں۔ ہدایت اور نور؛ قدیم اکابر سے لیں کیونکہ انہوں نے کتاب و سنت کو صحیح سمجھا تھا، قواعد و ضوابط سے سمجھا تھا اور صحت کے ساتھ منتقل کیا تھا۔ پھر اس ہدایت، اصول، ضابطہ اور رہنمائی کا اطلاق اپنی زندگی کے حالات اور مستقبل پر کریں۔ اسی طرح جدید کو بھی ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور جدید مسائل حل کرنے کے لئے نور؛ قدیم زمانہ سے لیں۔ قدیم و جدید کو جو اس طرح جمع کرتا ہے اور قرون اولیٰ، سلف صالحین، ائمہ، محدثین، فقہا، مجتہدین کے علم کو اپنے اوپر پہرے دار بناتا ہے اور اپنے زمانے کے مسائل کو حل کرتا ہے، اجتہاد کرتا ہے تو وہ ہدایت پر رہتا ہے۔

جو کہتے ہیں کہ ہم نے کسی سے نہیں لینا، ہم صرف کتاب و سنت کو مانتے ہیں تو وہ چودہ سو سال کی چھلانگ لگانا چاہ رہے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ چودہ سو سال سے جو لوگ بیان کر رہے تھے، وہ قرآن و

سنت نہیں تھا۔ کیا حافظ ابن حجر عسقلانی، امام قسطلانی، امام عینی، ابن ملقن، امام طبرانی، امام سیوطی، قاضی عیاض اور امام نووی رحمھم اللہ تعالیٰ نے جو لکھا اور کہا وہ کتاب و سنت سے الگ کوئی اور شے تھا؟ یاد رکھیں! یہ ائمہ اور ان کا بیان کردہ علم حدود ہیں جو علم کو نسب والا علم بنا رہے ہیں۔ یہی علم نافع بن رہا ہے اور اس سے نور حاصل ہوتا ہے۔ پس اس علم سے قواعد و ضوابط لیں، اپنے آپ کو ان کے پہرے اور پابندی کے اندر قید کریں اور اس دائرے کے اندر رہیں، اگر اس سے باہر چھلانگ لگائیں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔ جب لوگ کہیں گے کہ ہم اکابر کو نہیں مانتے، ہم آزاد ہیں، ہم خود اس کی تشریح کریں گے اور خود تعبیر کریں گے، تو علم میں ہلاکت آجائے گی، علم میں نور اور نفع ختم ہو جائے گا اور علماء اشرار الناس ہو جائیں گے۔ آقا ﷺ نے علماء کو خیار الناس قرار دیا ہے۔ پس وہ علمِ صحیح کو تعلم و تفقہ کے ذریعے اکابر سے حاصل کر کے نسل در نسل آگے منتقل کریں۔ آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خیرکم قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم.

(بخاری، جلد:2، رقم:2508)

یعنی سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر وہ زمانہ ہے جو ان سے ملے، پھر وہ جو ان سے ملے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک تدرج وضع فرمایا۔ سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، اس سے مراد میرے صحابہ کا زمانہ ہے جنہیں علم براہِ راست منتقل ہوا۔ پھر تابعین کا جنھوں نے صحابہ سے لیا اور پھر تبع تابعین کا زمانہ ہے، جنہوں نے تابعین سے لیا۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ جوں جوں زمانہ ترقی کرے گا سائنس ترقی کرے گی، جیسے جیسے زمانہ آگے جائے گا، سائنس بھی آگے بڑھے گی اور نئی نئی ایجادات ہوں گی اور انسان ترقی کرے گا۔ مگر دین کا معاملہ یہ ہے کہ جیسے جیسے ماضی میں جائیں گے، اتنا صحیح دین ملے گا۔ سائنس اور جدید علوم میں آگے بڑھتے جائیں گے تو سائنس کی معراج پر جاتے جائیں گے لیکن حصولِ علم دین کے لیے جتنا ماضی میں سفر کریں گے، دین کی معراج پر جائیں گے۔ دین کا اصول و ضابطہ یہ ہے کہ دین کی صحت پچھلے زمانوں اور صدیوں سے لیں جبکہ اس کا اطلاق آج کے دور پر کریں۔

علم و عمل میں مطابقت

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

یا حملة العلم اعملوا به فانما العالم من عمل بما علم و وافق علمه عمله.

(الدارمی، السنن، 1: 118، رقم:382)

اے اہلِ علم! جو علم تمہیں مل گیا، اس پر عمل کرو اس لیے کہ عالم وہی ہے جو اپنے علم پر عمل کرے اور اس کا عمل اس کے علم کے ساتھ موافقت رکھے۔ اس لیے کہ آگے زمانے آئیں گے کہ لوگ علم اٹھائے پھریں گے، علم بیان کریں گے مگر وہ علم ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ اس علم نے ان کے دل کی حالت کو بدلا نہ ہو گا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے عالم کی تعریف واضح کر دی کہ وہ اپنے علم پر عمل کرتا ہے۔ جس شخص کی زبان سے علم سنیں اور وہ زندگی میں اس پر عمل کرنے والا نہ ہو تو وہ عالم نہیں ہے، لہذا اس سے علم نہ لینا۔ عالم وہ ہے جس کا عمل اس کے علم سے موافقت رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ علم تو بہت اونچا بیان کرے مگر عمل بہت پست اور نیچے ہو۔ قیامت کے قریب زمانوں میں بہت سارے علماء ایسے ہوں گے جو علم بیان کریں گے مگر وہ علم ان کے باطن میں نہیں اترا ہو گا اور نہ ہی وہ علم ان کا حال اور عمل بنا ہو گا۔ پگڑی، ٹوپی، عمامہ، جبہ، قبہ، لباس، دینداری، مسند، خطاب و وعظ، درس قرآن و حدیث سب ہو گا، سارا حلیہ، نصیحت اور تربیت علما جیسی ہو گی مگر ان کا باطن اس کے برعکس ہو گا۔

کسی شخص کا ظاہر دیکھنے سے پہلے اس کے باطن میں جھانکو اور اس کے باطن کو جاننے کی کوشش کرو۔۔۔ اس کا عمل اور اس کا حال جانچو۔۔۔ اس کی صداقت، زہد، ورع، تقویٰ، سلم و امن، حلم و تحمل، حکمت و معرفت اور اس کی پختگی دیکھو۔۔۔ اس کے اخلاق کو دیکھو، اگر اخلاق اچھا نہیں تو اس کا مطلب ہے کہ اس کے علم نے اس کی حالت نہیں بدلی تو وہ ہمیں کیا بدلے گا۔۔۔ پھر لوگوں سے اس کا برتاؤ دیکھو کہ اس کے دل میں نفرت ہے یا محبت۔۔۔؟ تواضع ہے یا تکبر۔۔۔؟ لوگوں کو اچھا جانتا ہے یا حقیر۔۔۔؟ اگر اپنے آپ کو اچھا سمجھ رہا ہے تو سب کچھ علم کے الٹ ہو رہا ہے۔ اس لیے کہ علم تو تواضع، خشیت اور انکساری عطا کرتا ہے، علم تو لوگوں کو حقیر دیکھنے ہی نہیں دیتا بلکہ وہ باقی تمام کو اپنے سے بہتر دیکھتا ہے۔

اگر علمِ صحیح ہو تو وہ اپنے عیوب دکھاتا ہے، لوگوں کے عیوب دیکھنے نہیں دیتا۔ ہمارا حال یہ ہے کہ عیب دیکھنا تو دور کی بات ہے ہم تو مسندوں پر بیٹھ کر دوسروں کے عیب اچھالتے ہیں۔۔۔ لوگوں کو للکارتے اور مناظرے کی دعوت دیتے ہیں۔۔۔ مجادلے کرتے اور اختلاف کو مخالفت بنا دیتے ہیں۔۔۔ تصادم و فساد بپا کرتے اور دھڑے بندی و تفرقہ پیدا کرتے ہیں۔۔۔ دشمنیاں پیدا کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے گلے کٹواتے ہیں۔۔۔ کسی ایک کا مرید اور شاگرد دوسرے کے استاذ کی عزت نہیں کرتا تو بتائیے کہ کیا یہ علم ہے۔۔۔؟ یہ علم نہیں بلکہ ہلاکت اور جہنم ہے۔ اگر میرے شاگرد مجھ سے علم لیتے ہیں اور کسی دوسرے کے استاد کو گالی دیتے ہیں تو انھوں نے میرے علم سے کیا سیکھا۔۔۔؟ ایسا علم ان

کے لیے ہلاکت ہے۔ اگر میرا ادب کرتے ہیں اور دوسرے کے استاد کا ادب نہیں کرتے تو میرے ادب سے کیا سیکھا۔۔۔؟

ہر عالم اور مدرس کو اس امر کا اہتمام کرنا چاہیے کہ جس طرح اس کے شاگرد اس کا ادب کرتے ہیں، اسی طرح وہ دیگر علماء و مدرسین کا بھی ادب کریں۔ استاد، شیخ اور عالم کو چاہیے کہ اپنے مریدین، معتقدین اور تلامذہ کو بڑوں کا ادب اور ان کی عزت کرنا سکھائے۔ یہ اسی صورت ہو گا کہ جب طلبہ اور مریدین اپنے اساتذہ، شیوخ اور علماء سے کسی اور کے بارے میں ایک بھی منفی جملہ نہیں سنیں گے۔ جب وہ اساتذہ سے تضحیک، طعن و تشنیع اور تنقید نہیں سنیں گے تو ان کی زبانیں بھی بند ہو جائیں گی لیکن جب علماء، مشائخ اور اساتذہ دوسرے لوگوں کو اپنی مجالس میں طعن و تشنیع کا نشانہ بنائیں گے، تنقید کریں گے، تذلیل کریں گے، چغلی کریں گے، علم کے پردے میں دوسرے کو اپنے سے حقیر ثابت کرنے کی کوشش کریں گے، مذاق اڑائیں گے اور شاگرد یہ سب سنیں گے تو وہ شیخ و معلم سے سو گنا بڑھ کر بداخلاقی اور بے ادبی کا مظاہرہ کریں گے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اسی حقیقت کو واضح کر رہے ہیں کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اپنے آپ کو اہلِ علم کہلوانے والے لوگ حلقے بنائیں گے، ان کی مجالس ہوں گی، مکتب و مدرسے ہوں گے، مسندیں لگائیں گے اور وہاں بیٹھ کر علم کے ذریعے اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔ وہ مفاخرت کریں گے اور تفوق ثابت کریں گے یہاں تک کہ دل تنگ ہو جائیں گے۔ ایسے علم پھیلانے والے لوگ اپنے شاگردوں اور مریدوں پر غصہ کرتے ہیں کہ وہ دوسرے کی علمی مجلس میں کیوں گئے۔ وہ انھیں کسی اور سے خیر لینے کی اجازت نہیں دیتے۔ یاد رکھیں! دوسروں سے روکیں گے، تو وہ تنگ دل اور متعصب ہو جائیں گے۔

مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ جب ایسے زمانے آئیں تو تم لوگوں کو ان کے علم، عمل اور حال میں پرکھو۔ کیونکہ وہ مجلس میں اور ہوں گے اور اعمال کچھ اور ہوں گے۔۔۔ جو کچھ کہیں گے، وہ خود اسے نہیں کریں گے۔۔۔ نتیجتاً ان کے اعمال نیکیاں نہیں بنیں گے اور نہ ہی ان کی نیکیاں اللہ کی بارگاہ میں اٹھائی جائیں گی، بلکہ سب کچھ برباد ہو جائے گا۔ جو انہیں سنیں گے اور ان کی پیروی کریں گے، لامحالہ اس علم سے ان کی بھی ہلاکت اور بربادی ہو گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں علمِ نافع عطا فرمائے اور علم و عمل میں مطابقت نصیب فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

نااُمیدی کی دلدل سے نجات

تحریر: ڈاکٹر فرح ناز، صدر منہاج القرآن ویمن لیگ (حصہ دوم: قسط نمبر 9)

(زیر نظر مضمون جنوری 2025ء میں شائع کیے گئے آرٹیکل کا دوسرا حصہ ہے)

گذشتہ قسط میں اس بات کو زیر بحث لایا گیا کہ خدا کے وجود کو تسلیم کیے بغیر انسان بلند فکر اور اعلیٰ اخلاق کا حامل شخص نہیں بن سکتا گو کہ صدیوں سے بے دین اور الحاد کے نظریے کو ماننے والے یہ دعویٰ کرتے آ رہے ہیں کہ انسان خدا کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے۔ مگر حقیقت اس کے برعکس ہے کیونکہ خدا کو تسلیم کیے بغیر انسان فانی اور کھوکھلی زندگی تو گزار سکتا ہے مگر حقیقت سے بیگانہ ہوتا ہے۔ وجود باری تعالیٰ سے انکار، مادہ پرستی، دولت سے لطف اندوزی اور محض عیش و عشرت کی تلاش انسان کو بالآخر بیزاری کی طرف دھکیلتی ہے اور وہ زندگی میں کبھی بھی اطمینان نہیں پاسکتا۔

انسان خدا کی ایک منفرد اور بے مثال تخلیق ہے خدا نے ہمارے وجود میں ابدیت کا جو سافٹ ویئر انسٹال کیا ہوا ہے وہ ہماری روحانی و اخلاقی بلندی سے ہی اپ ڈیٹ رہ سکتا ہے۔ اسی لیے لازوال منزل کا شعور صرف خدا کے وجود پر یقین کے ساتھ ہی تکمیل پاسکتا ہے۔

1۔خدا کے وجود کو ماننے والا انسان مایوس نہیں ہوتا

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی کے خطابات 2024ء سے ہماری زندگی پر یہ اثر مرتب ہوتا ہے کہ ہم مایوسی اور نااُمیدی کی دلدل سے نجات حاصل کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے لَا تَقْنَطُوْا مِن رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر،53/39) ”تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا“ مومن اس شان کا حامل ہوتا ہے۔اسکے مزاج میں کبھی نا امیدی واقع نہیں ہوتی کیونکہ وہ اس رب کا ماننے والا ہے جس کا مذکورہ فرمان ہے۔خدا کے وجود کو ماننے والے پر یہ محاورہ فٹ آتا ہے: Never Give Up” کبھی ہمت نہ ہارو“

وہ اپنے مزاج کو شگفتہ، وسیع اور ہر دم تازہ دم رکھتا ہے۔اس کے اندر کچھ کرنے کا جذبہ ہر وقت بیدار رہتا ہے۔سستی، ناکامی او رکمزوریوں کو خود سے دور رکھتا ہے کیونکہ وہ ایسے معبود پر یقین رکھتا ہے' جو زمین و آسمان کے تمام خزانوں کا مالک ہے۔ اللہ پر توکل اور بھروسہ اس کی روحانی تازگی کو مزید جلا بخشتا ہے وہ ہمہ وقت پر عزم پر عزم اور بلند ہمت رہتا ہے۔

جدید معاشرتی زندگی میں یہ ایک عام نظریہ ہے کہ ہم نے محنت، کوشش اور کاوش کرکے جو کمایا ہے اس پر صرف ہمارا ہی حق ہے۔عقل، علم اور ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر ہم نے چلنا ہے اور اگر اسی پر بھروسہ کرینگے تو آگے چل سکیں گے ورنہ نہیں۔انسان اپنی عقل اور صلاحیت پر اتنا بھروسہ کر بیٹھا ہے کہ خدا کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتا اور پھر یہی بھروسہ اور لوگوں سے قائم کی جانے والی لمبی اُمیدیں انسان کو بالآخر مایوسی کا شکار کر دیتی ہیں۔

نبی کریم ﷺ داعی الی اللہ ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف ہماراتزکیہ و تصفیہ فرمایا بلکہ ہمیں نظریۂ حیات عطا فرمایا ہے۔اس لحاظ سے ہم ایک نظریاتی امت ہیں وہ نظریہ جس نے ہماری سوچوں کے رُخ بدل دیئے ہیں اور وہ یہ ہے کہ کوشش کرنا انسان کے ذمے ہے باقی ہونا وہ ہے جو رب تعالیٰ نے چاہنا ہے۔

عقیدہ توحید ماننے کا ایک ثمر یہ بھی ہے کہ رب تعالیٰ جو چاہے گا، جتنا چاہے گا جس کو چاہے گا اپنے فضل سے عطا فرمائے گا۔نبی کریم ﷺ نے مکمل محنت کا حکم

دیا جدوجہد کی تعلیم دی، ہمت پکڑنے کی ترغیب دی۔لیکن فرق یہ ہے کہ غیر مسلم اسباب سے نتیجہ چاہتا ہے مومن کی شان یہ ہے کہ وہ محنت کر کے نتیجہ اپنے رب کریم پر چھوڑ دیتا ہے۔مسلمان کی توجہات کا مکمل مرکز اللہ رب العزت کی ذات ہوتی ہے۔ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم نے اپنا ہر معاملہ رب تعالیٰ کے سپرد کر دینا ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر تم رب پر بھروسہ کرو گے تو وہ تمہیں ویسے ہی رزق دے گا جیسے پرندے کو دیتا ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُونَ عَلَى اللهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرُزِقْتُمْ كَمَا يُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا.(ترمذي، الصحيح، كتاب الزهد، باب في التوكل على الله، 373/4، الرقم/2344، أحمد بن حنبل، المسند، 1: 30، الرقم: 205)

”اگر تم اللہ پر ویسے بھروسہ کرو جیسا کہ بھروسہ کرنے کا حق ہے تو تمہیں ایسے رزق دیا جائے جیسے پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے۔وہ صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو آسودہ حال واپس آتے ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ ہمیں اس بات کی ترغیب دے رہے ہیں کہ ہم دنیا اور دین سے متعلق تمام کاموں میں نفع حاصل کرنے اور نقصان سے بچنے کے معاملے میں اللہ پر مکمل بھروسہ کریں جبکہ ہمارا سارا توکل بندوں پر ہے۔

2۔خدا کا تصور انسان کو پُرعزم اورحوصلہ مند بناتا ہے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی کے خطابات 2024ء سے ہماری شخصیت اور مزاج پر جو ایک گہرا اثر مرتب ہوتا ہے وہ یہ کہ خدا کو ماننے والا کبھی شکوہ نہیں کرتا اور زندگی میں آنے والے مصائب و آلام کو اللہ رب العزت کی طرف سے آزمائش سمجھ کر خندہ پیشانی اور صبر سے برداشت کرتا ہے۔سورہ تغابن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللهِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللهِ يَهْدِ قَلْبَهُ وَاللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ [التغابن، 64: 11]

”(کسی کو) کوئی مصیبت نہیں پہنچتی مگر اللہ کے حکم سے اور جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے تو وہ اُس کے دل کو ہدایت فرما دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے وہ اس کے دل کو سکون عطا کر دیتا ہے۔اس کی طبیعت اور مزاج میں تلخی نہیں رہتی۔کسی دنیاوی دکھ اور تکلیف میں اسے شکایت نہیں رہتی کہ دل کی بے قراری و بے چینی، اضطراب و کشش و پنچ الغرض یہ سارا پیچ و تاب جو آدمی کھاتا رہتا ہے، وجود خدا پر ایمان لا کراس کی رضا کے متلاشی کو مقام رضا کے ذریعے اس سے نجات مل جاتی ہے۔یعنی جب بندہ اپنی مرضی اللہ تعالی کی مرضی میں اگم کردیتا ہے تو اس کے کئی لا ینحل عقدے حل ہو جاتے ہیں۔اسی لئے اقبال نے کہا ہے:

برون کشید ز پیچاک ہست و بود مرا
چہ عقدہ ہاکہ مقامِ رضا کَشود مرا
(زبور عجم)

اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ذریعے مجھے ہست و بود کے سارے چکروں سے نکال لیاہے۔مقامِ رضا نے میرے کیا کیا مشکل اور پیچ پڑے معاملات (عقدے) حل کر دیئے۔

اللہ کی رضا پر راضی رہنا درحقیقت وجودِ باری تعالیٰ پر ایمان کے ثمرات میں سے اعلی درجے کا ثمرہ ہے۔خدا کے ہونے کا یقین انسان کو ان وسوسوں سے نجات دلاتاہے کہ یہ کیوں ہو گیا؟ یہ کیسے ہو گیا؟ یہ نہیں ہونا چاہیے تھا!اس نے میراکام بگاڑ دیا. یہ ساری چیزیں ختم ہو جاتی ہیں صرف اس یقین سے کہ جو ہوا اللہ کے حکم سے ہوا۔وہ ہر مصیبت اور تکلیف کو اللہ کی طرف سے آزمائش اور امتحان سمجھتا ہے۔یہ یقین انسانی زندگی کابہت بڑا انعام اور فائدہ ہے۔

اہلِ ایمان کی صلاحیتوں کو نکھارنے اور ان کے درجات کی ترقی کے لیے امتحانات اور آزمائشیں آتی رہتی ہیں۔اللہ تعالیٰ بندۂ مومن کو تکلیف میں ڈال کر اس میں نکھار پیدا کرتا ہے تاکہ اس کے اندر کا جوہر نکھر جائے اور ہیراچمک جائے۔

اس امتحان اور آزمائش پر پورا اترنے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ تکالیف آزمائشیں اور مصیبتیں درجہ بدرجہ انسان کی دینی،ایمانی، روحانی ترقی کا ذریعہ بنتی ہیں۔جتنا اس میں صبر، یقین ہو گا اتنا ترقی کرتا چلا جائے گا۔دنیا میں تکالیف بڑے نفع کا سودا ہے۔ یہ تکالیف انسان کے لیے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان اور یقین کی وجہ سے ایک بندۂ مومن بڑی سے بڑی تکلیف اور

مشکل سے مشکل حالات میں بھی نہ تو دل میں شکوہ کرتا ہے اور نہ ہی حرفِ شکایت زبان پر لاتا ہے، بلکہ وہ ہر حال میں پیکر تسلیم و رضا بنا رہتا ہے کہ اے اللہ ! میری بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے : بِيَدِكَ الْخَيْرُ! تیری طرف سے میرے لیے خوشی آئے یا غم، مجھے قبول ہے، تیری جو بھی رضا ہو اس کے سامنے میرا سر تسلیم خم ہے۔

دکھ درد اور تنگی تکلیف کے بارے یہ حقائق اگر سامنے رہیں تو پھر کوئی تکلیف اور مصیبت انسان کو گرنے نہیں دیتی۔کیونکہ ایک رب کو ماننے والا انسان عزم و حوصلہ اور صبر و استقامت کا پہاڑ ہوتا ہے۔ وہ جو کام بھی کرتا ہے رب کی رضا کیلئے کرتا ہے لہذا وہ اللہ کی رضا کے لئے بڑے سے بڑے کام بھی سر انجام دینے کے لئے اٹھ کھڑا ہوتاہے جبکہ اس کے برعکس خود غرضی اور دنیاوی لالچ انسان کو تھکا دیتے ہیں اور لاغر کردیتے ہیں۔

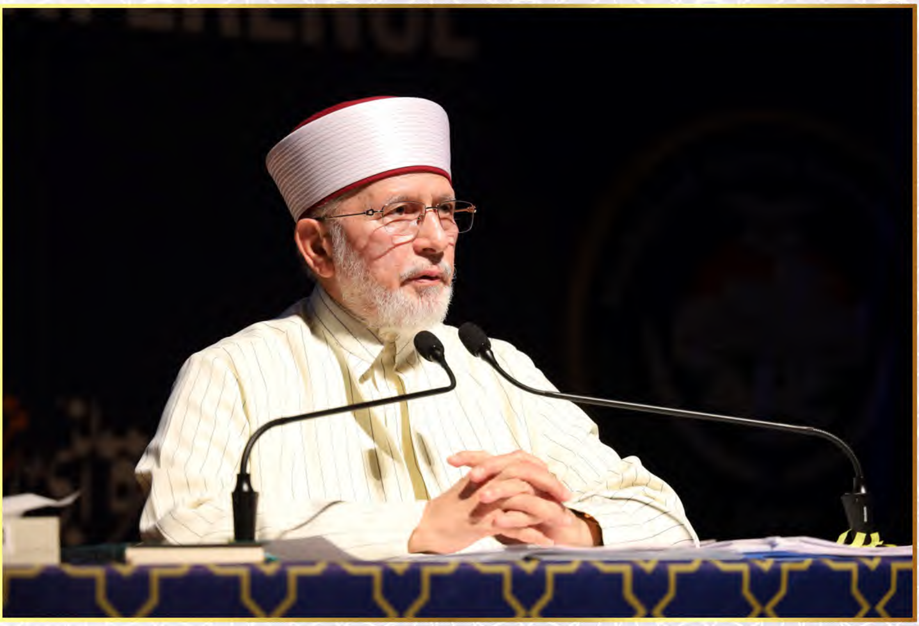

3۔ایک خدا کو ماننا بے نیازی اور قناعت پیدا کرتا ہے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی کے خطابات 2024ء سے انسانی زندگی پر یہ اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ وہ بے نیازی و قناعت کا پیکر بن جاتا ہے۔وہ

ہر وقت توکل الی اللہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتا ہے اور اس کے دل میں یہ یقین پختہ ہو جاتا ہے کہ توکل سے ہی اطمینان حاصل ہوتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل و بھروسہ اور یقین سے محروم ہے، وہ دن رات بے چین اور مضطرب رہتا ہے اور ہر وقت شکوہ کناں رہتا ہے کہ مجھے زندگی میں یہ نہیں ملا؟ اگر میں اس وقت ایسا کرلیتا تو اس نقصان سے بچ جاتا! اگر میرا فلاں دوست عین وقت پر ایسا نہ کرتا تو ایسا نہ ہوتا! کاش میں یوں کرلیتا! کاش' اے کاش ! ...گویا انسان اگر مقام تسلیم و رضا سے ناآشنا ہو تو چھوٹے چھوٹے واقعات بھی اس کے دل کا روگ بن جاتے ہیں اور اس کے پچھتاوے کبھی ختم ہونے کا نام نہیں لیتے۔

جب انسان کے اندر یہ عقیدہ پختہ ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں اور تمام جہاں اُس کا محتاج ہے۔تو یہ عقیدہ اس کے اندر قناعت پیدا کرتاہے۔اس کے اندر شانِ بے نیازی اور انسان بناوٹی زندگی نہیں برتتا بلکہ اس کے مزاج اور طبیعت میں انتہاء کی سادگی پیدا ہوتی ہے۔وہ ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور کسی اور کی پرواہ نہیں کرتا۔جب ذہنوں میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ عزت وقوت اللہ کے ہاتھ میں ہے تو ایسے لوگ اپنے رستوں کا تعین خود کرتے ہیں اور ہواؤں کے رُخ پھیر دینے کی قوت رکھتے ہیں۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

4۔خدا کے وجود کو ماننے والا قوانین کی پابند کرتا ہے

کسی بھی ملک کی ترقی و تنزلی کا راز اس کے قوانین کی پابندی میں مضمر ہوتا ہے۔ ہمارا دین اسلام ہے اور اسلام اللہ جل جلالہ کا عطا کیا ہوا ایسا نظام زندگی ہے جس کی پابندی ہم پر فرض ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:وَلَا تَعۡثَوۡاْ فِي ٱلۡأَرۡضِ مُفۡسِدِينَ (البقرة، 2: 60) ”اللہ کی زمین میں فساد پھیلانے والے مت بنو“ چونکہ قانون توڑنے اور اصول و ضوابط کا احترام نہ کرنے سے افراتفری پھیل جاتی ہے جس کی بنا پر نہ صرف افراد کاسکون تہہ و بالا ہو جاتا ہے بلکہ پورے معاشرے اور قوم کی زندگی متاثر ہو جاتی ہے۔اس لئے مذہب اسلام مسلمانوں کو قانون کا احترام اور پابندی کی تاکید کرتا ہے

یہی وجہ ہے کہ وہ ایک طرف رب تعالیٰ کو ماننے، ایثار و سخاوت اور اکرام مسلم کا درس دیتا ہے تو دوسری طرف ان میں آخرت کی جوابدہی کا شعور پیدا کرتا ہے اور یہ احساس دلاتا ہے کہ اگر وہ اپنے اثر و رسوخ یا دھوکے فریب سے دنیا میں قانون کی خلاف ورزی کی سزا سے بچ بھی گئے تو آخرت میں انہیں خدا کی گرفت سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔

اس ضمن میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی کے خطابات 2024ء سے معاشرتی اعتبار سے بہت مثبت اثرات مرتب ہوں گے کہ جس انداز سے انہوں نے رب تعالیٰ کے وجود کو ماننے پر عقلی و سائنسی دلائل دیئے ہیں اس سے یقیناً ہر ذی شعور خدا کے وجود کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا یہ اقرار ہر شخص کے اندر جوابدہی کا تصور اور اس بناء پر قانون کی پابندی سیکھاتا ہے اور ایسے معاشرے میں رہنے والا ہر انسان یہ سمجھتا ہے کہ زندگی کو نظم و ضبط دینے کے لیے ایک قانون سازی کی ضرورت ہے جسے ہر سطح پر قبول کیا جانا چاہیے۔ سماجی سطح پر مختلف معیارِ زندگی، رسم و رواج، طور طریقے، روایات اور ضابطے متعین ہوتے ہیں۔ تجارتی زندگی میں بھی قواعد و ضوابط، معیارات اور کچھ طور طریقے مقرر ہوتے ہیں۔ خدا کو ماننے والا اللہ کے قانون کا پابند ہوتا ہے' کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ ہر ظاہری اور خفیہ چیز کو جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر حال میں اسے دیکھتا ہے۔ لہٰذا وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتا جو رب کی نافرمانی کا باعث ہو۔ جس طرح ریاست کے باشندوں کو اپنے ملک کے بنائے ہوئے قانون کے

مطابق ہی اپنی زندگی بسر کرنا پڑتی ہے اسی طرح وجودِ الٰہی پر ایمان رکھنے والوں کے لئے اس کے دیئے ہوئے مذہب کو تسلیم کرنا انسانی زندگی کی فکری، نظریاتی، عملی، اعتقادی اور انتظامی ضرورت ہے۔اسلامی معاشرے میں قانون کا احترام نہایت ضروری ہے۔اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حقیقی مفہوم اور اس کی اصل روح یہ ہے کہ قانون کا احترام اور پابندی کی جائے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَلَا تُبۡطِلُوٓاْ أَعۡمَٰلَكُمۡ [محمد، 47: 33]

اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کیا کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کیا کرو اور اپنے اعمال برباد مت کرو۔

اسلام امن وسکون اور سلامتی کا مذہب ہے۔مذہب کے دائرے میں رہتے ہوئے ہر معاشرے، ہرقوم اور ہرملک کے کچھ قوانین اور ضوابط ہوتے ہیں، پُرامن اور پُر سکون زندگی گزارنے کے لیے ان کی پابندی از حد ضروری ہے۔ قانون توڑنے اور اُصول وضوابط کا احترام نہ کرنے سے پورے معاشرے اور قوم کی زندگی متأثر ہوجاتی ہے جبکہ ایک خدا کا وجود ماننے والا اپنے خالقِ حقیقی کا مطیع اور فرماں بردار ہوتا ہے وہ کبھی قانون کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے اہم خطابات کے بارے خود فرمایا:

"ان خطابات کو بار بار سنیں۔اس سے ایمان والوں کا ایمان مضبوط ہوگا، شکوک و شبہات کا شکار ایمان کی طرف پلٹ آئیں گے اور جو انکار کی حد تک چلے گئے ہیں انہیں اللہ پاک اپنی معرفت اور ایمان کا راستہ دکھا دے گا۔"

(اقتباس از خطاب شیخ الاسلام، خطاب نمبر: Ca-17، 6 اپریل 2024ء)

کفر والحاد اور بے دینی کا شکار ہونے والی نئی نسل کے لئے شیخ الاسلام کے خطابات مردہ اجسام میں روح ڈالنے کے مترادف ہیں۔

میرا یقین ہے کہ شیخ الاسلام دامت برکاتہم کے خطابات 2024ء سننے کے بعد ہر شخص اس بات کا قائل ہوگا کہ ایک خدا اور ایک مذہب کو نہ صرف ماننا بلکہ اپنانا ضروری ہے۔اگر خدا کے وجود کا انکار کر دیا جائے تو پھر یہ معاشرہ حیوانی معاشرہ بن کر رہ جائے گا جہاں فساد اور قتل و غارت گری اور شکوک و شبہات کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

(جاری ہے)

روزنِ علم

ڈاکٹر جویریہ حسن

غیر معمولی تعلیمی و تخلیقی صلاحیت کے ہمرکاب شبانہ روز سعی و جدوجہد ہی کسی فرد یا قوم کو ترقی کی منازل پر فائز کرتی ہے۔ تاریخ کے جھروکوں میں جھانکیں تو کئی قومیں اور شخصیتیں علم کے مینارہ پر جگمگاتی دکھائی دیتی ہیں جو اپنا فطری دورانیہ حیات مکمل کرنے پر افق سے غائب ہو جاتی ہیں اور انکی جگہ نیا طلوع ہونے والا سورج لے لیتا ہے بالکل اسی طرح جیسے ہر صبح کے بعد شام اور ہر شام کے بعد نئی صبح کا سورج ایک نئی امید کے ساتھ طلوع ہوتا ہے۔ آفاقِ علم پر طلوع ہونے والا ایک نئی صبح کا آفتاب زرتاب ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نوجوان محقق و مصنف ہیں۔ یوں تو انکی متنوع معاشرتی، اخلاقی، قانونی اور عصرِ حاضر سے متعلقہ موضوعات پر کثیر تصانیف منصۂ شہود پر آچکی ہیں مگر حالیہ جس تصنیف نے حلقہ علم و ادب میں نمایاں مقام حاصل کیا اور اپنی طباعت کے فوری بعد کئی کاپیز ہزاروں اہلِ علم کے ہاتھوں میں پہنچیں اور یہی غیر معمولی رجحان راقمہ کی توجہ اس جانب مبذول کرنے کا باعث بنا وہ ”دستورِ مدینہ اور فلاحی ریاست کا تصور“ ہے۔ علم کی اس قدر پذیرائی بالخصوص اس معاشرے میں جہاں تخلیق و تحریر کا رجحان ترقی یافتہ معاشروں سے نسبتاً کم ہو اہل علم و دانش کے لیے یک گونہ آسودگی کا باعث بنتا ہے۔

زیرِ نظر تصنیف کے امتیازات و تفردات پر روشنی ڈالی جائے تو کتاب کے کثیر مشتملات توجہ کا مرکز بنے چونکہ میثاقِ مدینہ یا دستورِ مدینہ پر یہ پہلی جامع اور کثیر الجہات تجزیاتی تحقیق ہے۔ مصنف موصوف نے انتہائی عرق ریزی سے ریاست مدینہ کی جزئیات انتظامی، معاشی، عدالتی، قانونی، جنگی و دفاعی قوانین، انسانی حقوق، آزادی اظہارِ رائے، بین الاقوامی تعلقات و معاہدات کے لیے وضع کردہ

اصول وضوابط کو ٹھوس اور مستند حوالہ جات کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مستشرقین کے پیش کردہ اشکالات کا ازالہ کرنے کے بعد روایتی فکر سے قطع نظر میثاق مدینہ کو فقط ایک معاہدہ کی بجائے کائنات انسانی کے پہلے تحریری دستور کے طور پر Establish کروانا؛ زیر مطالعہ تصنیف کا تنہا یہی کارنامہ میدان علم و فن میں اپنا نام پیدا کرنے کے لیے کافی ہے۔ تصنیف کے مشتملات کی تصدیق و توثیق پر عالم اسلام کی ممتاز یونیورسٹی جامعۃ الازہر کی تقاریظ بھی اس کا امتیازی وصف ہے۔ سرسری مطالعہ کتب سے ہی یہ امر مترشح ہے کہ مصنف نے رسمی و روایتی انداز سے قطع نظر نہایت عمیق نظری سے جن مباحث کو احاطہ قلم میں لایا ہے وہ آج کے کثیر التہذیبی منظر نامے میں اقوام عالم کو امن و استحکام کی نئی جہتیں روشناس کروا سکتے ہیں بنیادی مبحث اگرچہ دستور مدینہ کی آئینی و قانونی حیثیت ثابت کرنا اور اسے دورِ موجود سے متعلق کرتے ہوئے استفادہ کی صورتیں تلاشنا تھا مگر کئی ہمہ پہلو موضوعات جیسے دستورِ مدینہ کی توثیق و تصدیق میں درج کردہ روایات و آرٹیکلز کی تخریج، راویوں کے احوال اور حدیث مرسل کی حجیت پر جامع ابحاث نے اس کتاب کو ابتدائی، امہات، مصادر کتب کے درجہ میں جگہ دے دی ہے جو شرعی علوم کے ماہرین کے لیے نادر ذخیرہ علمی ہے۔

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی شہرۂ آفاق تحقیق ''دستور مدینہ اور فلاحی ریاست کا تصور'' شرق و غرب کے علمی حلقوں سے پذیرائی حاصل کر رہی ہے

مشرقی معاشروں میں تو شاذ ہی جب کہ عرب محققین میں سے کسی نے بھی میثاق مدینہ کو بطور دستور اہمیت دیتے ہوئے اس کے آرٹیکلز کی تحقیق و تنقیح اس اسلوب کے ساتھ پیش نہیں کی جس سے جدید آئینی اصول وضع کیے جا سکیں۔ بیشتر نے آئینی دساتیر کے استنباط تک اپنے تحقیقی جائزے کو محدود رکھا۔ البتہ مستشرقین میں سے رابرٹ بیٹرم سارجنٹ، جولیس ولہاؤزن، جان وینسک، ولیم منٹگمری، موشے گل اور مائیکل لنگر نے میثاق مدینہ کا تحسینی و تنقیدی مطالعہ تو ضرور کیا مگر دستور مدینہ سے ماخوذ دستوری، حکومتی، آئینی اور سیاسی اصولوں کو نہ تو واضح کیا نہ ہی ان سے اس کی توقع کی جا سکتی ہے۔ مقام تعجب تو یہ ہے کہ عرب محققین نے مستشرقین کی ان کتب سے استفادہ تو در کنار اعتراضات کا جواب دینے کے لیے ان کتب کے تراجم کا بھی اہتمام نہیں کیا زیر نظر کتاب میں اس خلا کو بھی کماحقہٗ پر کیا گیا ہے۔

بطور پہلا اسلامی ریاستی، آئینی و قانونی دستور دستور مدینہ کا جدید (امریکی برطانوی اور یورپی) دساتیر سے تقابلی موازنہ زیر نظر تحقیق کا منفرد پہلو ہے۔ ریاست کے عناصر ترکیبی، نظام ریاست کے عمومی و تخصیصی اصول و قواعد، حقوق انسانی، حکومتی و ریاستی اختیارات جیسے اہم موضوعات پر قلم اٹھاتے ہوئے معاصر ادوار کے ترقی یافتہ ممالک کے دساتیر سے تقابلی جائزہ پیش کرنے کے ساتھ آج سے 1400 سال قبل نبی مکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے وضع کردہ دستور کو مثالی ترین دستور کے طور پر ثابت کرنا گویا اسلام کو از سر نو زندہ کرنے اور اسلامی روایات کو اس کی اصل بنیادوں پر لوٹانے کے مترادف ہے۔ گویا ہر دور کے بدلتے تقاضوں کے عین مطابق ریاستی فلاح و ترقی کا ضامن حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا عطا کردہ دستور ہے۔ جس نے عالمی سطح پر تہذیبوں کے مابین امن، بقائے باہمی اور خیر و فلاح کا درس دیا۔ وہ نمونہ کمال جس کی اساس پر بین المسالک اور بین الممالک انتشار و فساد کو ختم کر کے جنگ کی بجائے باہم ہم آہنگ نظریات پر صلح جوئی کی جانب پیشرفت کی جا سکتی ہے۔ بلحاظ انسان بنیادی انسانی حقوق میں برابری اور اقلیتوں سمیت تمام افراد معاشرہ کے حقوق کا تحفظ مسلم جمہوری حکومتوں کا بھی فرض ہے نیز یہ ماڈل حقوق انسانی کی عالمی تنظیموں کے لیے بھی نمونہ عمل ثابت ہو سکتا ہے۔

مصنف نے انتہائی عرق ریزی سے ریاست مدینہ کے انتظامی ماڈل، اس کی معاشی، عدالتی جزئیات و معاہدات کو بیان کیا ہے

المختصر مصنف موصوف نے اس تحقیق کے واسطے سے خود کو شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری جیسی مایہ ناز علمی شخصیت کا فرزندِ ارجمند اور عالمی سطح پر علم کی وارث تحریک منہاج القران کا رہنما ہونا بلاشبہ ثابت کر دیا ہے۔ دنیا کی پانچ سے زائد زبانوں میں طبع ہونے والی یہ تصنیف نہ صرف دینی علوم وفنون کے ماہرین، قانون دان طبقہ، ریاستی و ادارتی سربراہان بلکہ عالمی اداروں، عدل وانصاف کے لیے کوشاں آزادی اظہار رائے اور تکریم انسانی کی خاطر قائم قومی و بین الاقوامی تنظیمات کے لیے یکساں مفید و مشعل راہ ہے اللہ رب العزت امت مسلمہ کو ڈاکٹر حسن محی الدین قادری جیسے فرزندگانِ ملت سے نوازتا رہے جو ہر دور میں دین پر اٹھتے ابہامات کو رفع کرنے کی سعی جمیلہ میں مصروفِ عمل رہیں۔

خود اعتمادی بہترین وصف ہے

سعدیہ کریم۔ اسکالر

خود اعتمادی ایک ذہنی کیفیت کا نام ہے جس میں انسان کو اپنی ذات پر مکمل یقین اور بھروسہ ہوتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس میں سب کچھ کرنے کی صلاحیت ہے وہ اعتماد سے گفتگو کرتا ہے اور اس کے ہر عمل میں یقین ہوتا ہے۔ خود اعتمادی کو انگریزی میں Self confidence کہا جاتا ہے۔

خود اعتمادی کا مفہوم

خود اعتمادی اور خود انحصاری مترادفات ہیں اور ان کا لفظی معنی اپنے آپ پر انحصار اور اعتماد کرنا ہے۔ اصطلاح میں اپنی صلاحیتوں کو پہچاننا، ان کا ادراک کرنا اور اپنی طاقت، قوت اور صلاحیت پر بھروسہ کرنا خود اعتمادی کہلاتا ہے۔ اسلام انسان کو بہت سے اخلاق و اوصاف کو اپنانے کی تلقین کرتا ہے جن میں عزم و ہمت، حوصلہ، خود انحصاری اور خود اعتمادی سرفہرست ہیں۔ اسلام انسان کو کم ہمتی اور محتاجی سے بچنے کی تلقین کرتا ہے اور ناسازگار حالات و مواقع پر عزم و ہمت سے کام لینے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا درس دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ۔ (آل عمران، ۳: ۱۵۹)

”جب آپ کسی بات کا عزم کر لیں تو اللہ پر توکل کریں۔“

اہمیت و فضیلت

خود اعتمادی انسان کے بہترین وصف کا نام ہے۔ کوئی بھی انسان چاہے مرد ہو یا عورت، جب وہ کوئی بڑا کام انجام دینا چاہے تو اس میں اعتماد کا ہونا بہت ضروری ہوتا ہے کیونکہ خود اعتمادی انسان کی وہ خوبی اور طرزِ عمل ہے جو اس کے لیے عظیم مقاصد کو حاصل کرنا آسان بنا دیتی ہے۔ خود اعتمادی اور خود انحصاری انسان کے اندیشوں، خوف اور شکوک و شبہات کو دور کر کے انسان میں اعتماد اور امید پیدا کرتی ہے اور انسان کی جد و جہد، کوشش اور کامیابی کے امکانات کو روشن کر دیتی ہے۔

قرآن مجید میں اہل علم مرد و خواتین کی جو صفات ذکر ہوئی ہیں ان میں خود اعتمادی اور توکل علی اللہ سر فہرست ہیں۔ بتایا گیا ہے کہ اہل ایمان مرد و خواتین پر جب کوئی مشکل یا مصیبت آتی ہے تو وہ کم ہمتی اور بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرتے اور اللہ پر توکل کرتے ہوئے ہمت، حوصلے اور خود اعتمادی سے ان مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔ توکل علی اللہ ایک ایسی صفت ہے جو خود اعتمادی اور خود انحصاری سے پیدا ہونے والے تکبر سے بچاتا ہے اور انسان خود اعتمادی سے اپنے معاملات کو احسن طریقے سے انجام دے سکتا ہے۔ خود اعتمادی کسی بھی قوم، نسل یا قبیلے کی اجتماعی عزت و آبرو کا باعث ہوتی ہے۔

خود اعتمادی کے معاشرتی فوائد

خود اعتمادی کی وجہ سے انسان کو بہت سے معاشرتی فوائد حاصل ہوتے ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ خود اعتمادی انسان کو خاص طور پر خواتین کو اندیشوں، خوف اور شکوک و شبہات سے محفوظ رکھتی ہے۔

۲۔ خواتین کے لیے کامیابی کے امکانات کو روشن کر دیتی ہے اور وہ بغیر کسی سہارے کے اپنی دانشمندی اور صلاحیتوں کی بناء پر پیش آمدہ مسائل کو حل کر سکتی ہیں۔

خود اعتمادی اور نبی کریم ﷺ کا طرزِ عمل

اسلام دین فطرت ہے اور اپنے ماننے والوں کے تمام مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ اسلام میں مرد و خواتین کو عزت عطا کی گئی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ خواتین کے ساتھ حسن سلوک اور اچھے تعامل کی آئینہ دار ہے۔ آپ ﷺ جیسے مردوں کے ساتھ شفقت و انسیت کا مظاہرہ فرماتے ویسے ہی نبوی شفقت خواتین کو

بھی عطا فرماتے تھے۔ آپ ﷺ خواتین کی نہ صرف تربیت فرماتے تھے بلکہ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے تھے تاکہ ان میں خوداعتمادی اور خودانحصاری پیدا ہو سکے۔ آپ ﷺ اپنی رضاعی ماؤں کا بہت احترام فرماتے تھے۔ اسی طرح اپنی کنیزوں اور باندیوں کو بھی عزت دیتے تھے جس کی وجہ سے ان خواتین میں خوداعتمادی اور خودانحصاری حددرجہ موجود تھی اور وہ معاشرے میں سر اٹھا کر چلتی تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ

"رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی اپنے ہاتھ سے کسی عورت اور خادم کو نہیں پیٹا۔"

آپ ﷺ نے امت کی تربیت کے دوران خواتین کی تربیت کا خصوصی اہتمام فرمایا تاکہ خواتین کی عزت میں اضافہ ہو اور وہ خوداعتمادی کے ساتھ معاشرے میں مردوں کے شانہ بشانہ کھڑی ہو سکیں۔

دینِ اسلام کا خواتین کو عزت و وقار دینا اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام خواتین کو پُراعتماد اور پُروقار دیکھنا چاہتا ہے۔ قرآن و حدیث کی تعلیمات بھی اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ اسلام میں خواتین کو خوداعتمادی کے وصف سے ہمکنار کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ مردوں کے برابر معاشرتی و معاشی حقوق دیئے گئے ہیں۔ بطور ماں، بہن، بیٹی، بیوی خواتین کے حقوق اس کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ہر رشتے کا احترام کرنا سکھایا اور امت کے مردوں کو بھی خصوصی تلقین کی کہ وہ خواتین کے حقوق احسن طریقے سے ادا کریں تاکہ وہ خوداعتمادی کے ساتھ اپنے فرائض کی تکمیل کر سکیں۔

سیرت طیبہ ﷺ سے ثبوت

آپ ﷺ کا تمام ازواج مطہرات کے ساتھ بہت پیار، محبت، الفت اور احترام کا تعلق تھا جب آپ ﷺ مدینہ طیبہ میں موجود ہوتے تو روزانہ عصر کی نماز کے بعد تمام ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے تھے ان کے پاس بیٹھتے، گفتگو فرماتے، گھر کے کاموں میں ان کی مدد فرماتے، کبھی آٹا گوندھ دیتے کبھی صفائی کر دیتے اور ہر ایک کی ضرورت کا پوچھ کر اس کی ضرورت پوری فرماتے تھے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ ان کی سہیلیوں کے ساتھ بھی شفقت فرماتے تھے جب وہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ وقت گزارنے کے لیے آتی تھیں تو آپ ﷺ ان کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے اور کسی معاملے میں روک ٹوک نہ فرماتے تھے۔

جب آپ ﷺ کسی سفر پر روانہ ہوتے تھے تو ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے جس کا نام نکل آتا اسے سفر میں ساتھ لے جاتے۔ ایک سفر میں سیدہ عائشہؓ نبی کریم ﷺ کے ساتھ

تھیں پیدل دوڑ میں آپ ﷺ کے ساتھ ان کا مقابلہ ہوا تو وہ حضور ﷺ سے آگے نکل گئیں۔ اس کے کچھ عرصہ بعد جب دوبارہ حضرت عائشہؓ کا حضور ﷺ کے ساتھ مقابلہ ہوا تو آپ ﷺ جیت گئے۔ اس وقت آپ نے فرمایا یہ تمہاری اس جیت کا جواب ہو گیا۔

بیویوں کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے اپنی بیٹیوں کی بھی بہت اعلیٰ تربیت فرمائی۔ آپ ﷺ اپنی تمام بیٹیوں سے بے انتہا محبت فرماتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ جو آپ ﷺ کی لاڈلی اور چھوٹی بیٹی تھیں اور جن سے آپ ﷺ کی نسل مبارک چلی، جب بھی آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتیں تو آپ ﷺ ازراہِ احترام و محبت کھڑے ہو جاتے اور شفقت سے ان کی پیشانی کا بوسہ لیتے۔

آپ ﷺ کا یہ عمل امت کی تربیت کے لیے مشعلِ راہ ہے جب بھی آپ اپنی بیوی، بیٹی، بہن یا ماں سے محبت و شفقت کا معاملہ کرتے ہیں تو ان خواتین میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ ان کی عزت افزائی، ان کی شخصیت میں خود اعتمادی اور خود انحصاری پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ خواتین خود کو معاشرے کا اہم فرد سمجھتی ہیں اور معاشرے کی تعمیر و ترقی میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں مسلمان عورتوں کی بہت زیادہ عزت تھی۔ اگر مسلمان عورتیں آپ ﷺ سے ملنا چاہتیں یا اپنا کوئی مسئلہ بیان کرنا چاہتیں تو آپ ﷺ نہ صرف انہیں خصوصی وقت دیتے بلکہ ان کے مسائل کو شفقت سے سنتے اور ان کا حل عطا فرماتے تھے۔ انھیں وعظ و نصیحت فرماتے تھے اور اگر ان کی کوئی حاجت ہوتی تو اسے پورا فرماتے تھے اور ان کی ضرورتوں کی تکمیل فرماتے۔ غیر مسلم خواتین کے ساتھ بھی آپ ﷺ حسن سلوک فرمایا کرتے تھے تاکہ وہ خود اعتمادی اور خود انحصاری کے وصف سے آراستہ ہو کر معاشرے میں اپنے فرائض کو احسن طریقے سے انجام دیں۔

آپ ﷺ نے اپنے وصال سے پہلے امت کو جن چند چیزوں کی تلقین فرمائی اس میں خواتین کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

سنو تم عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو۔

آپ ﷺ کے اس فرمان کا مقصد خواتین کو اہمیت دینا، عزت دینا اور ان کے اندر خود اعتمادی پیدا کرنا تھا۔ آپ ﷺ کے صحابہؓ اگر اپنی خواتین کے ساتھ ناروا سلوک کرتے تو آپ ﷺ انہیں حکمت کے ساتھ سمجھاتے تھے اور ان کے رویوں کی اصلاح فرماتے تھے۔ ایسے ہی ایک موقع پر آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو سمجھاتے ہوئے فرمایا:

اپنی بیویوں کو مارنے والے اچھے لوگ نہیں ہیں۔

آپ ﷺ کے اس فرمان کا مقصد خواتین کو عزت دینا اور ان کے حقوق کی حفاظت کرنا تھا اور یہی وہ عوامل ہیں جن کی وجہ سے خواتین میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ اگر خواتین کے حقوق پورے نہ ہوں اور معاشرے میں ان کی عزت نہ کی جائے تو وہ کبھی بھی اعتماد کے ساتھ معاشرے میں نہیں چل سکتیں اور نہ ہی اپنے فرائض کو پورا کر سکتی ہیں۔

خود اعتمادی کے اسباب و ذرائع

خود اعتمادی خواتین کو ترقی یافتہ بنانے میں اہم کردار ہے۔ خود اعتماد خواتین مشکل سے مشکل صورت حال میں بھی خود کو قائم رکھتی ہیں اور ہوش مندی کے ساتھ بہترین فیصلے کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ خود اعتمادی کے ساتھ ساتھ عاجزی اور توکل علی اللہ بھی بہت ضروری ہے کیونکہ اگر خود اعتمادی اور خود انحصاری میں تکبر و غرور جیسے منفی جذبات شامل ہو جائیں تو انسان کی ساری کوششیں بے کار ہو جاتی ہیں اور وہ مقاصد کے حصول میں ناکام ہو جاتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ خود اعتمادی اور خود انحصاری کو تکبر و غرور جیسے منفی جذبات سے پاک رکھا جائے اور مثبت فکر یعنی عاجزی اور اللہ پر توکل کے جذبات سے مسائل کے حل کی طرف بڑھا جائے تاکہ کامیابی انسان کا مقدر بن سکے۔ ایسے انسان کو لوگ عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو خود اعتماد ہونے کے ساتھ ساتھ عاجز اور اللہ پر بھروسہ کرنے والا ہو۔

نبی کریم ﷺ خواتین کی تعلیم و تربیت میں ان عوامل کو ملحوظ رکھتے تھے۔ قرآن و حدیث کی تعلیمات میں خود اعتمادی اور خود انحصاری کے ساتھ ساتھ توکل علی اللہ پر بھی زور دیا گیا ہے کیونکہ اہل ایمان پر جب مشکل یا پریشانی کا وقت آتا ہے تو وہ کم ہمتی اور بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے خوف کا شکار نہیں ہوتے بلکہ ہمت اور حوصلے کے ساتھ مشکلات کا سامنا کرتے ہیں اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی پوری زندگی خود اعتمادی اور توکل علی اللہ کی بہترین

مثال ہے۔ آپ ﷺ نے مشکل اور ناپسندیدہ حالات میں بھی خود اعتمادی اور خود انحصاری سے کام لیتے ہوئے عزم و ہمت اور استقلال کا مظاہرہ کیا اور آپ ﷺ کا یہ عمل امت کی تمام خواتین و حضرات کے لیے مشعل راہ ہے۔

ہمیں نبی کریم ﷺ کے خواتین کو پراعتماد اور خود انحصار بنانے کے طریقوں کو اپنانا ہوگا اور اس سلسلے میں سب سے پہلی چیز جسے اختیار کرنا ضروری ہے وہ خواتین کے ساتھ حسن سلوک ہے جس کا قرآن و حدیث میں حکم دیا گیا ہے۔ حضور ﷺ کے خواتین کے ساتھ حسن سلوک سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اپنے ساتھ تعلق رکھنے والی تمام خواتین کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ انہیں عزت و احترام دیں، ان کے حقوق کو پورا کریں تاکہ ان میں خود اعتمادی پیدا ہو سکے اور وہ اپنے معاشرتی فرائض احسن طریقے سے ادا کر سکیں۔ یہی اسلام کا طرہ امتیاز ہے کہ وہ خواتین کو عزت و احترام کے ساتھ بنیادی انسانی حقوق عطا کرتا ہے تاکہ خواتین خود اعتمادی ور خود انحصاری کے اعلیٰ مرتبے کو پا سکیں اور اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کو احسن انداز سے پورا کر سکیں۔ اس لیے خواتین کو اسلامی تعلیمات کو حاصل کرنا چاہیے اور اپنی معاشرتی زندگی کے لیے رہنمائی لینی چاہیے۔

خود اعتمادی کے اثرات

خود اعتمادی ایک ایسی خوبی ہے جو ایک فرد کو ہمیشہ عزت عطا کرتی ہے۔ اس کا احترام کیا جاتا ہے اور خود اعتماد انسان کی رائے لی جاتی ہے۔ اس کی بات سنی جاتی ہے۔ خود اعتمادی سے انسان کے کام اور گفتگو میں حسن اور نکھار پیدا ہوتا ہے۔ خود اعتمادی کی وجہ سے انسان مشکلات کا سامنا کرنے اور ان سے نکلنے کے قابل ہوتا ہے۔ اس میں فیصلہ کرنے اور عمل کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ خودداری اور خود اعتمادی کی وجہ سے انسان میں خود انحصاری پیدا ہو جاتی ہے۔

خواتین کے لیے خودداری، خود اعتمادی اور خود انحصاری کے اوصاف کا حامل ہونا انتہائی ضروری ہے تاکہ وہ معاشرے کی باوقار اور خود انحصار فرد ثابت ہوں۔ اس سلسلے میں خواتین کو قرآن و حدیث سے رہنمائی لینے کی سخت ضرورت ہے۔ قرآن و حدیث میں انسان کو خود اعتمادی و خود انحصاری کے وہ گر سکھائے گئے ہیں جو دنیا کی کسی اور کتاب میں موجود نہیں ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ کے مقرب بندوں کی صفات بیان ہوئی ہیں اور ایسے بندوں کو عباد الرحمن کا خطاب دیا گیا ہے۔ ان میں خود اعتمادی و خود انحصاری اہم ترین صفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ان صفات کو خود بیان کرنا اور ان کی تعریف کرنا در اصل اس امر کی اہمیت پر زور دینے سے مترادف ہے۔

خاندانی نظام کو درپیش چیلنجز اور حل

تحریر: ایم اے زیب رضا خان

ریاست کے بہت سے اداروں میں سے خاندان ریاست کا پہلا اور اساسی ادارہ ہے۔جو نسل نو کی تعلیم و تربیت میں اہم کرد ار ادا کرتا ہے۔خاندان کی بلند اور مستحکم اخلاقی اقدار معاشرتی ا ستحکام وتعمیر میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔یعنی معا شرے کے استحکام پر اور خاندان کا استحکام افراد خانہ کی تربیت پر مبنی ہے۔اور گھر ہی وہ مرکز ہے جہاں افرادی قوت تیار ہوتی ہے۔

خاندان کی اہمیت

خاندان کی اہمیت کااندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کسی مضبوط معاشرتی نظام کا تصور مضبوط خاندانی نظام کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتا۔یہ ایک ایسا ادارہ ہے جس پر کسی بھی قوم کی ترقی کا انحصار ہوتا ہے۔معاشرت انسانی کی بقاء کے لیے خاندانی نظام کی بقاء لازمی امر ہے۔دور جدید کا ترقی یافتہ انسان ذہنی طور پر جس قرب میں مبتلا ہے اس کی بڑی وجہ اس کی جائے تسکین کا بگاڑ کا شکار ہونا ہے۔

پاکستان کا خاندانی نظام

پاکستان کے خاندانی نظام کی اساس ہمارے دین اور تاریخی و ثقافتی ورثہ پر رکھی گئی ہے۔ہمارے خاندانی نظام کی ساخت میں بہت سے عوامل کارفرما ہیں۔جس میں علاقائی، معاشی، تہذیبی و تمدنی اور تاریخی روایات کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بہت سے اسباب و محرکات ایسے بھی ہیں جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خاندانی نظام کی ساخت اور وظائف پر اثر ڈالتے ہیں۔اوراس خاندانی ادارہ میں تغیر ہو رہا ہے۔

پاکستان کے خاندانی نظام کی اقسام

بلحاظ ساخت پاکستان میں دو اقسام کے خاندانی نظام موجود ہیں۔

1۔مشترکہ خاندانی نظام

2۔جداگانہ خاندانی نظام یا سادہ خاندان

مشترکہ خاندان

مشترکہ خاندان کی بھی دو اقسام ہیں : پہلی قسم : اس میں ماں باپ اور بچوں کے علاوہ ان کے قریبی رشتہ دار جن میں دادا دادی، نانا نانی، چچا چچی ، ساتھ رہتے ہیں۔یہ خاندان دراصل دو خاندانوں پر مشتمل ہوتا ہے۔جس میں والدین اپنے بچوں کی شادیاں کرنے کے بعد ان کے ساتھ رہتے ہیں۔اسی طرح اگر شوہر شادی کے بعد اپنی بیوی کے ہمراہ سسرال میں رہے تو یہ بھی مشترکہ خاندان کہلاتا ہے۔پاکستان میں یہ خاندانی نظام بکثرت دیہاتوں میں نظر آتا ہے اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے دیہاتوں کی معیشت کا زیادہ تر انحصار رزعی پیداوار پر ہے۔اس لیے وہاں مشترکہ خاندانی نظام پایا جاتا ہے۔

دوسری قسم:اس قسم کے خاندان میاں بیوی ، والدین اور بچوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔عمومی طور پر ایسے خاندانوں کی تعدا د پاکستان میں زیادہ ہے۔

جداگانہ خاندانی نظام

اس طرح کے خاندان میں والدین شامل نہیں ہوتے۔صرف میاں بیوی اور ان

کے بچے ہی خاندان کی تشکیل کرتے ہیں۔

خاندانی نظام کو درپیش چیلنجز

خاندانی نظام کسی بھی معاشرتی ڈھانچے کا بنیادی ستون ہوتا ہے، جو نسلوں کی تربیت، اقدار کی منتقلی اور سماجی ہم آہنگی کا ضامن ہے۔ایک مضبوط خاندانی نظام نہ صرف انفرادی بلکہ اجتماعی سطح پر بھی استحکام پیدا کرتا ہے۔تاہم، جدید دور میں خاندانی نظام کو بے شمار چیلنجز کا سامنا ہے، جن میں معاشی دباؤ، سوشل میڈیا کا اثر، خاندانی اقدار کی زوال پذیری، ذہنی دباؤ، اور والدین و اولاد کے درمیان فاصلے جیسے مسائل نمایاں ہیں۔

خاندانی نظام کو درپیش ان چیلنجز کا سامنا کیسے کیا جائے؟ ان مسائل کی نوعیت کیا ہے اور ان کا عملی حل کیا ہو سکتا ہے؟ یہ تمام پہلو نہایت غور و فکر کے متقاضی ہیں، تاکہ ہمارا خاندانی ڈھانچہ اپنی اصل روح کے ساتھ برقرار رہے اور مستقبل کی نسلیں ایک متوازن اور پرامن زندگی گزار سکیں۔

جدید ٹیکنالوجی نے جہاں دنیا کو گلوبل ویلج بنایا ہے، وہیں سوشل میڈیا اور اسمارٹ فونز نے خاندانی روابط کو کمزور کر دیا ہے۔والدین اور بچے ایک ہی گھر میں رہتے

ہوئے بھی ایک دوسرے سے دور ہو چکے ہیں۔ کھانے کی میز پر بھی ہر فرد اپنے موبائل میں مصروف نظر آتا ہے۔ نتیجتاً، خاندان کے افراد میں قربت اور مکالمہ ختم ہوتا جا رہا ہے، جس سے رشتوں میں دراڑیں پڑ رہی ہیں۔ اس کا حل یہی ہے کہ گھروں میں ڈیجیٹل ڈیٹوکس کا رجحان اپنایا جائے، خاندانی نشستوں کو فروغ دیا جائے اور والدین بچوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزاریں تاکہ ورچوئل دنیا کی بجائے حقیقی دنیا میں رشتے مضبوط ہوں۔

مشترکہ خاندانی نظام، جو ہمارے ثقافتی اور معاشرتی اقدار کا اہم جزو تھا، آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے۔ اس کی جگہ جوہری خاندانی نظام نے لے لی ہے، جہاں والدین اور بچوں کے علاوہ کوئی اور شامل نہیں ہوتا۔ اس کے نتیجے میں نہ صرف رشتے کمزور ہو رہے ہیں بلکہ والدین کے لیے بڑھاپے میں سہارا بھی ختم ہوتا جا رہا ہے۔ اس کی بڑی وجہ معاشی مسائل اور مہنگائی بھی ہے، جس کی وجہ سے ہر فرد اپنی الگ شناخت بنانے میں مصروف ہے۔ خاندان کے افراد کو چاہیے کہ وہ معاشی تعاون اور مدد کے اصول کو اپنائیں تاکہ مشترکہ خاندانی نظام برقرار رہے۔

گزشتہ چند دہائیوں میں طلاق کی شرح میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ ازدواجی زندگی میں عدم برداشت، عدم اعتماد، اور غیر ضروری توقعات کی وجہ سے رشتے کمزور ہو رہے ہیں۔ سوشل میڈیا، ماڈرن ازم، اور مغربی ثقافت کے اثرات نے خاندانی نظام پر منفی اثر ڈالا ہے، جس کے باعث چھوٹی چھوٹی باتوں پر رشتے ختم ہو جاتے ہیں۔ اس مسئلے کے حل کے لیے قبل از شادی رہنمائی کو فروغ دیا جانا چاہیے، والدین کو بچوں کو تحمل اور برداشت کی تربیت دینی چاہیے، اور خاندانی مسائل کے حل کے لیے مشاورت کو عام کیا جانا چاہیے تاکہ ازدواجی زندگی میں استحکام پیدا ہو سکے۔

جدید مصروفیات اور طرزِ زندگی کی تبدیلی نے والدین اور بچوں کے درمیان ایک وسیع خلا پیدا کر دیا ہے۔ والدین کے پاس بچوں کے لیے وقت نہیں اور بچے اپنی دنیا میں مگن ہیں، جس سے ان کے درمیان اعتماد کم ہوتا جا رہا ہے۔ اس فاصلے کو کم کرنے کے لیے والدین کو چاہیے کہ وہ بچوں کے ساتھ معیاری وقت گزاریں، ان کی سرگرمیوں میں دلچسپی لیں اور ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کریں تاکہ وہ اپنے مسائل گھر میں ہی شیئر کریں، نہ کہ باہر غلط راستے اختیار کریں۔

خاندانی نظام کی مضبوطی میں مذہب اور اخلاقی اقدار کا کلیدی کردار ہے۔تاہم، جدید معاشرتی تبدیلیوں نے روایتی مذہبی اصولوں کو کمزور کر دیا ہے، جس کی وجہ سے نسلِ نو میں اخلاقیات کی کمی دیکھی جا رہی ہے۔اس کا واحد حل یہی ہے کہ گھروں میں دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت کا ماحول بنایا جائے، والدین خود عملی نمونہ بنیں اور بچوں کو دینی اور اخلاقی سرگرمیوں میں شامل کریں تاکہ وہ اپنی اقدار کے ساتھ جڑے رہیں۔

خاندانی نظام کی بقاء کے لیے فلاحی، تعلیمی اور دینی ادارے اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ پاکستان اور دنیا بھر میں ایسے کئی ادارے موجود ہیں جو خاندانی نظام کو مستحکم کرنے کے لیے کام کر رہے ہیں۔ان میں منہاج القرآن انٹرنیشنل ایک نمایاں نام ہے، جو تعلیم، اخلاقیات، اور دینی شعور کو اجاگر کرکے معاشرے میں خاندانی استحکام کے فروغ کے لیے کام کر رہا ہے۔ڈاکٹر طاہرالقادری کی قیادت میں یہ ادارہ نوجوان نسل کی اخلاقی اور روحانی تربیت پر خصوصی توجہ دے رہاہے، تاکہ وہ جدید چیلنجز کا سامنا کرتے ہوئے اپنی خاندانی اقدار کو محفوظ رکھ سکیں۔

اسی طرح، دیگر رفاہی ادارے جیسے الخدمت فاؤنڈیشن، دارالعلوم دیوبند، جامعہ الازہر، اور اخوت فاؤنڈیشن بھی سماجی بہتری اور خاندانی استحکام کے لیے اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔یہ ادارے تعلیمی، مالی، اور سماجی سطح پر عوام کی رہنمائی کر رہے ہیں تاکہ خاندانی نظام کو درپیش چیلنجز سے نمٹا جا سکے۔

خاندانی نظام کی مضبوطی صرف ایک فرد کی ذمہ داری نہیں بلکہ پورے معاشرے کی اجتماعی کوشش سے ممکن ہے۔والدین، تعلیمی ادارے، مذہبی رہنما، اور حکومت سب کو مل کر کام کرنا ہوگا تاکہ خاندانی اقدار کو بچایا جا سکے۔اگر ہم ان چیلنجز کو سمجھ کر ان کے حل پر کام کریں، تو ہمارا خاندانی نظام مزید مستحکم ہو سکتا ہے اور ہماری آنے والی نسلیں ایک بہتر، محفوظ، اور پرامن زندگی گزار سکیں گی۔

یہی وہ نظام ہے جو معاشرے کی بقا اور ترقی کی ضمانت فراہم کرتا ہے، اور اس کے تحفظ کے لیے ہمیں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنا ہوگا۔منہاج القرآن انٹرنیشنل اور دیگر سماجی و دینی ادارے اس جدوجہد میں رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، اور ہمیں بھی ان کوششوں کا حصہ بننا چاہیے تاکہ خاندانی نظام کو درپیش جدید چیلنجز کا کامیابی سے سامنا کیا جا سکے۔

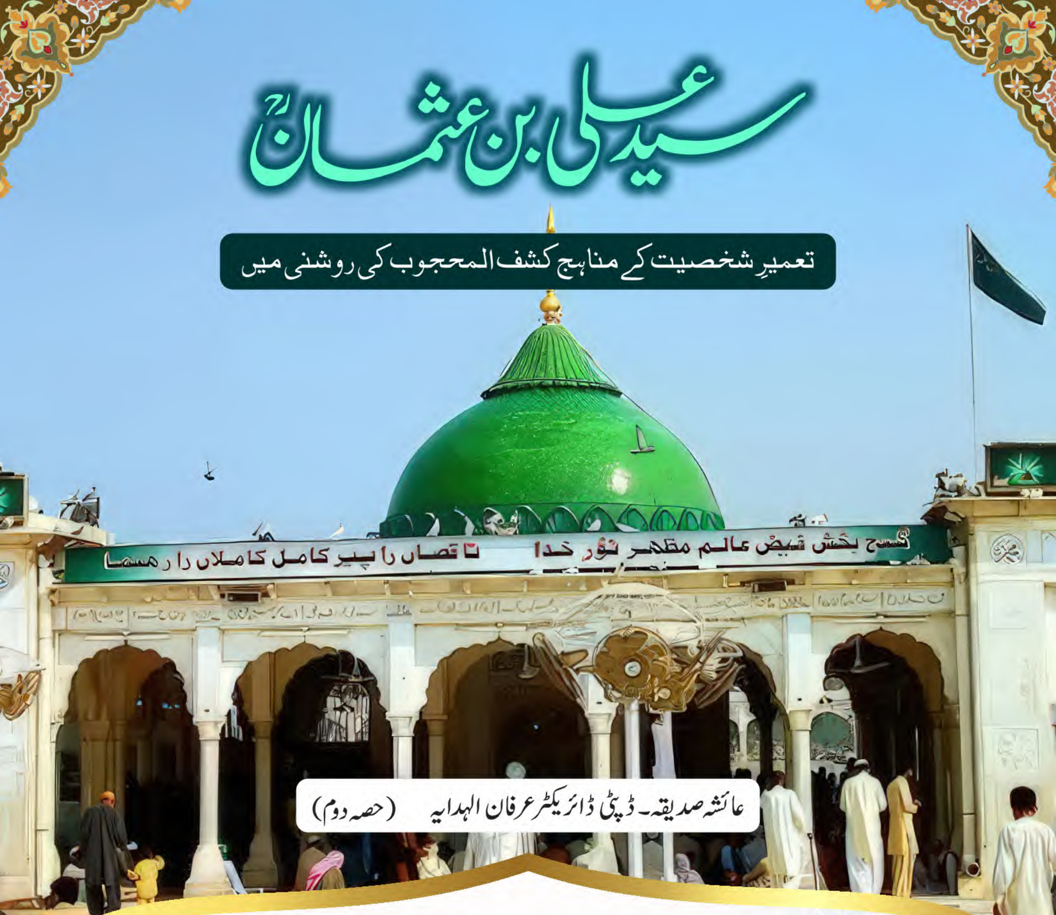

سید علی بن عثمانؒ

تعمیرِ شخصیت کے مناہج کشف المحجوب کی روشنی میں

عائشہ صدیقہ۔ ڈپٹی ڈائریکٹر عرفان الہدایہ (حصہ دوم)

(زیرِ نظر مضمون جنوری 2025ء میں شائع کیے گئے آرٹیکل کا دوسرا حصہ ہے)

سید علی ہجویریؒ کا دقت مطالعہ

آپ کا معمولِ زندگی یہ تھا کہ آپ اپنے سامان زیست کا بندوبست بھی خود ہی کرتے اس لیے کسی ایک ملک میں قیام کا دورانیہ ایک سال سے تین سال یا پانچ سال تک ہونا بعید از قیاس نہیں لگتا۔

اس لیے سفر کو اور ممالک میں قیام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے ۲۰ تا ۲۵ سال سیاحت کی ہے جبکہ ایک روایت کے مطابق ۲۱ سال تک آپ ابھی غزنی میں تھے۔ اور یہی قریب قیاس ہے کہ آپ ۲۱ تا ۲۲ سال کی عمر میں سفر پر نکلے ہوں گے۔ گویا ۴۵ تا ۵۰ سال کی عمر تک آپ سفر پر رہے ہوں گے اور اس طرح ۴۵ سے ۵۰ سال کی عمر آپ نے مطالعہ و عبادت میں گزاری۔

علوم ظاہری کی تحصیل کے بعد آپ نے حصول علم اور تزکیہ نفس کے لئے سفر کا ارادہ فرمایا اور طویل عرصہ سفر میں رہے اور بزرگان دین اور مشائخ طریقت سے آداب کی تعلیم لیتے رہے یہاں تک

کہ ملک شام میں آپ کی ملاقات شیخ ابو الفضل محمد بن حسن ختلیؒ سے ہوئی اور پھر انہیں کے ہو کر رہ گئے۔ان سے شرف بیعت حاصل کیااور خدمت میں رہے۔آپ نے ان کاذکر یوں کیاہے۔

"زینتِ اوتاد شیخ عباد ابو الفضل محمد بن الحسن الختلیؒ طریقت میں میرے پیرومرشد ہیں،آپ علم تفسیر وروایات کے جید عالم تھے۔تصوف میں حضرت جنیدؒ کے مسلک کے پیروکار تھے۔حضرت مصریؒ کے مرید اور محرم راز تھے ابو عمر قزدینی اور ابو الحسن سالبہؒ کے ہم زمان تھے،ساٹھ سال تک گوشہ نشین رہے۔یہاں تک کہ لوگوں کوآپ کانام بھی فراموش ہوگیا۔اکثر وقت آپ نے لکام نامی پہاڑ پر گزارا۔طویل عمر پائی بے شمار روایات وبراہین کے مالک تھے۔" (ہجویری،سید علی داتا گنج بخش،،(۲۰۱۲ء)،کشف المحجوب ،(مترجم محمد احمد قادری)،لاہور،مرکز معارف اولیاء داتادربار کمپلیکس،ص:۱۷۵)

اساتذہ

۱۔ حضرت ابوالعباس بن محمد شقانی ۴۷۹ھ

۲۔ حضرت ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گرگانی ۴۶۴ھ

۳۔ حضرت عبدالکریم القاسم بن ہوازن القشیری ۴۶۵ھ

۴۔ حضرت ابوجعفر محمد بن مصابح صدلانی

۵۔ حضرت ابوسعید ابوالخیر فضل اللہ بن محمد المہینی ۴۴۰ھ

۶۔ حضرت ابواحمد المظفر بن احمد بن حمدان

۷۔ حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی ۴۶۰ھ

۸۔ حضرت ابوعبداللہ محمد بن علی الداغستانی

(ہجویری،سید علی داتا گنج بخش،،(۲۰۱۲ء)،کشف المحجوب، (مترجم محمد احمد قادری)،لاہور، مرکز معارف اولیاء داتادربار کمپلیکس،ص:۴۷)

(ب)ہم عصر مشائخ

1. حضرت ابوالفضل بن اسد
2. حضرت اسماعیل الشاشی
3. حضرت شیخ سالار طبری
4. حضرت ابوعبداللہ محمد بن الحکیم
5. حضرت سعید بن ابی سعید العیار

6. حضرت ابوالعلاء عبدالرحیم بن احمد سعدی
7. حضرت اوحد قسورہ بن محمد گردیزی
8. حضرت ابوطاہر مکشوف
9. حضرت خواجہ طاہر مکشوف
10. حضرت خواجہ حسین سمنانی
11. حضرت شیخ سہلکی
12. احمد بن شیخ خرقانی
13. حضرت ادیب کمندی
14. حضرت شیخ ابوعبداللہ جنید
15. حضرت بادشاہ تائب
16. حضرت شیخ شفیق
17. حضرت ابوالحسن سالبہ
18. حضرت ابوطالب
19. حضرت ابواسحاق
20. حضرت ابوالعباس سرمغانی
21. حضرت ابو جعفر محمد بن علی الجوینی
22. حضرت ابو جعفر ترشیزی
23. خواجہ محمود نیشاپوری
24. حضرت محمد مشعوق
25. حضرت سید مظہر ابن شیخ ابوسعید
26. حضرت احمد حماد سرخسی
27. حضرت احمد بخار سمرقندی
28. حضرت ابوالحسن علی بن ابی علی الاسود
29. حضرت ابو جعفر محمد بن الحسین الحرمی
30. حضرت ابو محمد باثغری
31. حضرت محمد ایلاقی

32. حضرت علی بن الحسین السیر کانی
33. حضرت زکی بن علا
34. خواجہ عارف
35. حضرت علی بن اسحاق
36. حضرت محمد بن سلمہ
37. حضرت ابو جعفر محمد بن المصباح
38. حضرت ابو القاسم اسدسی

(ہجویری، سید علی داتا گنج بخش،، (۲۰۱۲ء)، کشف المحجوب، (مترجم محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء داتا دربار کمپلیکس، ص: ۴۷)

علمی تحقیقی کام جاری رکھنا

آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ سیر و سیاحت میں گزرا۔ اس کے باوجود سفر و حضر میں تحقیق و تصنیف اور درس و تدریس کے مشاغل جاری رہے آپؒ نے علمی تحقیق کے لئے جو مصیبتیں اٹھائی ہیں انکا ذکر کشف المحجوب میں کئی مقام پر ملتا ہے۔ آپ کا ہر سفر تحصیل علم یا کسی علمی مسئلہ کا حل تلاش کرنے کے لئے ہوتا تھا مثلاً: صحبت کے آداب کے باب میں لکھتے ہیں کہ:

"ایک دفعہ میں نے دو درویشوں کے ساتھ ابن المعلا کی زیارت کے لئے دمشق سے رملہ کا ارادہ کیا۔ راستے میں ہم نے طے کیا کہ ہر شخص دل میں کوئی ایسی بات سوچ لے جس کا حل درکار ہو تا کہ وہ شیخ ہمارے باطن سے مطلع ہو کر عقدہ حل کر دیں۔ میں نے کہا کہ میں ان سے حسین بن منصور الحلاج کے اشعار و مناجات کی درخواست کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں دعا کراؤں گا کہ میرا مرضِ طحال چلا جائے۔ تیسرے نے کہا کہ میں صابونی حلوہ کھانا چاہوں گا۔ جب ہم وہاں پہنچے تو کچھ ایسا ہی ہوا کہ وہ ہمارے باطن سے آگاہ تھے۔ انہوں نے حکم دیا کہ وہ جزو میرے سامنے رکھ دیا جائے جس میں حسین بن منصور کے اشعار و مناجات ہیں۔ دوسرے درویش کے پیٹ پر ہاتھ پھیر دیا جس سے اس کا مرضِ طحال کم ہو گیا۔ تیسرے سے فرمایا کہ صابونی حلوہ تو سپاہیوں کی غذا ہے اور تو نے تو اولیاء کا لباس پہن رکھا ہے۔ اولیاء کے لباس میں سپاہیوں کی طلب ٹھیک نہیں ان دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرو۔" (ہجویری، سید علی داتا گنج بخش، (۲۰۱۲ء)، کشف المحجوب، (مترجم محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء داتا دربار کمپلیکس، ص: ۵۴۲)

ماہر علوم

کشف المحجوب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ قرآن مجید، علم حدیث، علم تفسیر، علم فقہ میں بدرجہ کمال رکھتے تھے۔ شعر و ادب میں ان کے کمال کا ثبوت ان کا دیوان ہے جسے کسی نے چرا لیا تھا۔ دسویں حجاب کو منکشف کرتے ہوئے مختلف علوم کی اصطلاحات پر جو بحث کی ہے اس سے آپ کی ہمہ دانی کا پتہ چلتا ہے کہ آپ کس قدر ماہر علوم و فن تھے۔ آپ لکھتے ہیں کہ :

"بعض اصطلاحات اہل لغت نے اپنے لئے مخصوص کر لی ہیں جیسے فعل ماضی، فعل مستقبل، صحیح، معتل، اجوف ولفیف اور ناقص وغیرہ۔ اہل نحو کی اپنی مخصوص اصطلاحات ہیں جیسے رفع و ضم، نصب و فتح، کسرہ و جر، خفض و جزم اور منصرف و غیر منصرف وغیرہ۔ اہل عروض کی اپنی اصطلاحیں ہیں جیسے بحور و دوائر، سبب وتد اور فاصلہ وغیرہ۔ ریاضی دانوں نے اپنی اصطلاحیں مخصوص کر رکھی ہیں جیسے ضرب و تقسیم، کعب و جذر، اضافت اور جمع و تفریق وغیرہ۔ اہل فقہ نے بھی بعض اصطلاحات خود سے مخصوص کرلی ہیں جیسے علت و معلول، قیاس و اجتہاد وغیرہ۔ محدثین کی بھی مخصوص اصلاحیں ہیں جیسے مسند و مرسل، احاد و متواتر اور جرح و تعدیل وغیرہ۔ متکلمین نے بھی بعض اصطلاحیں مخصوص کر رکھی ہیں جیسے عرض و جوہر، کل و جزو، جسم و حدث اور تحیر و قوالی وغیرہ۔ اسی طرح بعض عبارتوں سے علم طب اور کیمیا کے بھی اشارے ملتے ہیں۔" (ہجویری، سید علی داتا گنج بخش،، (۲۰۱۲ء)، کشف المحجوب ،(مترجم محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء داتا دربار کمپلیکس، ص: ۵۴۲)

حضرت گنج بخشؒ تمام علوم کی غوطہ زنی کے بعد اس نتیجے پر پہنچے تھے اور سالک کو بتاتے ہیں کہ :

" جان لو کہ علوم بہت ہیں اور انسان کی عمر کم ہے اس لئے تمام علوم و فنون کا سیکھنا لوگوں پر فرض نہیں مثلاً علم نجوم و طب۔ علم حساب اور علم بدیع کے صنائع کا تاہم ان میں سے ہر علم میں اتنا ادراک ہونا ضروری ہے کہ شریعت کے تقاضے کماحقہ پورے کئے جا سکیں۔ علم نجوم کا اتنا ہی سیکھنا کافی ہے کہ رات کو وقت کی شناخت کر سکیں۔ علم طب کی اتنی ہی ضرورت ہے کہ نقصان سے بچا جا سکے۔ حساب کا اتنا ہی سیکھنا کافی ہے کہ وراثت کے مائل کو سمجھ سکیں اور مدتِ عدت کا حساب لگا سکیں۔ غرضیکہ علم کا سیکھنا اسی قدر فرض ہے کہ بندہ اپنے اعمال درست رکھ سکے۔" (ہجویری، سید علی داتا گنج بخش،، (۲۰۱۲ء)، کشف المحجوب، (مترجم محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء داتا دربار کمپلیکس، ص: ۱۷۵)

فقہی مذہب

فقہی مذہب کے اعتبار سے آپؒ حنفی تھے۔ آپؒ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مقلد تھے اور ان سے بے

پناہ محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ کشف المحجوب میں جہاں بھی امام ابو حنیفہ کا ذکر آیا آپؒ نے بڑے معزز القابات کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے جس سے اس عقیدت اور احترام کا پتہ چلتا ہے جو امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں آپؒ کے دل میں تھا۔

سیر و سیاحت

سیر و سیاحت محض وقت گزارنے کے لئے نہیں ہوتی بلکہ محبوبانِ خدا سیر و سیاحت کے لمحات میں سخت مشکلات اور آزمائش سے دوچار ہوتے ہیں اور پیر کامل کی تلاش میں سختیاں جھیلتے ہوئے سفر کی منازل طے کرتے ہیں اور پھر خوش نصیب اپنے پیر کامل کی صحبت کو پالیتا ہے سیر و سیاحت میں مناظر قدرت اور عجائبات قدرت کا مشاہدہ بھی تقویت ایمان اور ایقان میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ چنانچہ سید علی ہجویریؒ نے بھی اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ سیر و سیاحت میں گزارا اور اپنے دور کے اکابر صوفیاء اور اولیاء اللہ کی زیارت کی، ان کی صحبت سے فیضیاب ہوئے اور روحانی کسب فیض و کمال کیلئے آپؒ نے تقریباً تمام اسلامی ممالک شام، عراق، بغداد، آذربائیجان، طربستان، خوزستان، کرمانستان، خراسان، طوس، ماوراء النہر، ترکستان اور حجاز کا سفر کیا اور ان میں رہائش پذیر اولیائے کرام کی صحبتوں سے فیض یاب ہوئے۔ آپؒ اگرچہ چالیس سال مسلسل سفر میں رہے لیکن کبھی بھی باجماعت نماز نہیں چھوڑی اور نہ ہی جمعہ، ہمیشہ جمعہ کسی نہ کسی قصبے میں ادا فرماتے۔

مزاراتِ اولیاء پر حاضری

سید علی بن عثمانؒ سیر و سیاحت کے دوران ہمعصر مشائخ و اولیائے کرام سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اولیاء کے مزارات پر بھی حاضری دیتے اور اکتساب فیض کرتے رہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کے مزار پر تین ماہ تک مجاور بن کر مجاہدہ کرتے رہے۔ اسی طرح شیخ ابو سعیدؒ کے مزار کی بھی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔

مجاہدے اور ریاضتیں

سلوک و تصوف کی منازل طے کرنے کے لئے سفر کے دوران آپؒ نے بڑی بڑی سختیاں جھیلیں، مجاہدے کئے اور نفس کو زیر کرنے کے لئے اپنے آپ کو طرح طرح مشکلات میں ڈالا، کہیں سوکھی روٹی پر گزارا ہو رہا ہے اور کہیں فاقے، کہیں آپ کا تمسخر اڑایا جا رہا ہے اور کہیں آپؒ پر آوازیں کسی جا رہی ہیں، کہیں آپؒ کو حقیر ترین گردانا جا رہا ہے اور آپؒ اس کیفیت کو بسر و چشم قبول کر لیتے ہیں۔

اس نفس کشی کے انعام میں آپؒ کو وہ کشف نصیب ہوا جو بایزید بسطامیؒ کے دربار پر تین ماہ مجاور بن کر خدمت کرنے سے بھی حاصل نہیں ہوا تھا۔

دوران سفر حاجت مندوں کی امداد فرماتے یہاں تک کہ آپؒ خود مقروض ہو جاتے۔ اتنے طویل سفر مین زاد راہ فقط ایک چمڑے کا لوٹا، ایک عصا اور مصلیٰ ہوتا تھا ظاہراً آپؒ زمیں پر سفر کر رہے ہوتے اور باطنی اعتبار سے روحانی سفر میں صبر، شکر، توکل، اور رضا جوئی کی منازل سے گزر رہے ہوتے تھے۔ پھر وہ وقت آ ہی گیا جب آپؒ سلوک و تصوف اور طریقت و معرفت کے اس مقام تک جا پہنچے جہاں آپؒ نے سالکانِ راہِ طریقت کے ساتھ ساتھ اکابر اولیاء کی بھی رہبری کرنی تھی اور ظلمت کدہ ہند میں ہر سو توحید ورسالت کے انوار کا اجالا کرنا تھا۔

بیعت و خلافت

طریقت میں علی ہجویریؒ کے شیخ ابو الفضل محمد بن حسن ختلی ہیں۔ آپؒ کا سلسلہ بیعت حضرت جنید بغدادیؒ تک جا ملتا ہے۔ آپؒ کا سلسلہ عالیہ تین واسطوں سے شیخ ابو بکر شبلیؒ تک پہنچتا ہے۔ بایں طور پر آپؒ کے شیخ روشن ضمیر حضرت حضرمی کے مرید اور وہ شیخ ابو بکر شبلی کے مرید تھے۔

صاحب خزینۃ الاصفیاء لکھتے ہیں کہ:

"محمد بن حسن الختلیؒ کے علاوہ بھی آپؒ نے دیگر مشائخ حضرت ابوالحسن گورگانی، شیخ ابوسعیدؒ اور امام ابو القاسم قشیریؒ جیسے مشائخ عظام کی صحبت سے فیضیاب ہوئے اور روحانی فوائد حاصل کئے۔" (غلام سرور، (۱۹۹۴ء)، خزینۃ الاصفیاء، لاہور، مکتبہ نبویہ، ص: ۱۵۵)

لاہور میں آمد اور قیام

سید علی بن عثمانؒ اپنے شیخ کے حکم سے خدا کے دین کی تبلیغ واشاعت کے لیے سلطان محمود غزنوی کے بیٹے ناصر الدین کے زمانے ۱۰۳۰ تا ۱۰۴۰ء میں لاہور تشریف لائے۔ آپؒ سے پہلے آپؒ کے پیر بھائی حسین زنجانی اس خدمت پر مامور تھے۔ اس لیے جب آپ کو لاہور آنے کا حکم ہوا تو آپؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ سے عرض کیا کہ وہاں حسین زنجانی موجود ہیں میری کیا ضرورت ہے؟ لیکن شیخ نے فرمایا، نہیں تم جاؤ۔ فرماتے ہیں کہ میں رات کے وقت لاہور پہنچا اور صبح کو حسین زنجانی کا جنازہ شہر سے باہر لایا گیا۔

تبلیغِ اشاعت اسلام

اللہ والوں کی زندگی کے دو رخ نمایاں ہیں ایک اللہ کا ذکر اور اس کی عبادت میں مشغول رہنا اور دوسرا لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا اور بارگاہِ ربوبیت کے آداب سکھلا کر انہیں بھی اللہ والا بنا دینا۔ سید علی ہجویری کی حیات مبارکہ کو بلاشبہ دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلے حصے میں آپ نے طلبِ فیض کے لئے اسلامی دنیا کا سفر کیا جبکہ دوسرے حصے میں اشاعت اسلام کے لئے ہندوستان کا رخ کیا اور اور دین کی تبلیغ واشاعت کا کام شروع کیا اور لاہور میں قیام پذیر ہوئے۔

سید علی ہجویریؒ کی تصانیف

سیدنا علی بن عثمانؒ ایک عظیم المرتبت عالم اور بلیغ النظر محقق کی جامع صفات کے حامل تھے اور اس کے ساتھ ساتھ آپؒ کا باطن بھی نورِ عرفان سے بھرپور تھا۔ آپؒ نے کئی تصانیف لکھیں جن میں سے چند تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:

- دیوان (مجموعہ کلام)
- کتاب فنا و بقا
- اسرار الخلق والمونات
- کتاب البیان لاہل العیان

- بحر القلوب
- الرعائیۃ الحقوق اللہ
- منہاج الدین
- شرح کلام منصور الحاج

اور سب سے مایہ ناز تصنیف کشف المحجوب ہے۔ لیکن صد افسوس کہ ان میں سے کوئی ایک تصنیف بھی موجود نہیں ہے۔ بعض تصانیف لوگوں نے سرقہ کر کے اپنے ناموں سے منسوب کر لیں جس کا ذکر آپؒ نے خود بڑی حسرت سے کشف المحجوب میں صراحت کے ساتھ کیا ہے۔

وصال

سید علی بن عثمانؒ کے وصال شریف کے بارے میں مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ محمد احمد قادری لکھتے ہیں۔

"آپ کا وصال ۹ محرم الحرام ۴۶۵ھ کو ہوا۔"

(ہجویری، سید علی داتا گنج بخش،، (۲۰۱۲ء)، کشف المحجوب، (مترجم محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء داتا دربار کمپلیکس، ص: ۶۳)

ڈاکٹر محمد باقر نے دیگر محققین کی نسبت تاریخ وفات پر سیر حاصل گفتگو کی ہے وہ آپ کی کتاب میں درج صوفیاء کرام سے آپ کی ملاقاتوں کے تناظر میں استنتاج کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یہ امر یقینی ہے کہ سید علی ہجویری ۵۰۰ھ تک بقید حیات تھے۔" (ہجویری، سید علی داتا گنج بخش،، (۲۰۱۲ء)، کشف المحجوب، (مترجم محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء داتا دربار کمپلیکس، ص: ۶۳)

"غلام سرور لاہوری نے خزینۃ الاصفیاء میں تاریخ وصال ۴۶۴ھ یا ۴۶۶ھ لکھی ہے۔" (غلام سرور، (۱۹۹۴ء)، خزینۃ الاصفیاء، لاہور، مکتبہ نبویہ، ص: ۳۴)

"اے، آر نکلس مترجم کشف المحجوب کے نزدیک وصال باکمال ۴۶۵ھ یا ۴۶۹ھ کو ہوا۔" (ہجویری، سید علی بن عثمان، (۱۹۶۷ء)، دیباچہ کشف المحجوب، (مترجم نکلسن)، ص: ۱۹)

سید علی بن عثمانؒ کا مزار لاہور میں بھاٹی گیٹ کے پاس تقریباً ایک ہزار سال سے موجود ہے۔ آپؒ کا مزار آج بھی زائرین کے لئے انوار و تجلیات کا مرکز ہے۔ آپ کا روضہ ناصر الدین مسعود کے بیٹے ظہیر الدین الدولہ نے تعمیر کروایا۔ اور خانقاہ کا فرش اور ڈیوڑھی جلال الدین اکبر بادشاہ ۱۵۵۵ء تا ۱۶۰۵ء کی تعمیر ہیں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کا عرس ہر سال اسلامی مہینہ صفر المظفر کی ۱۸ سے ۲۰ تاریخ تک منایا جاتا ہے۔

سید علی بن عثمانؒ اور علامہ اقبالؒ

علامہ اقبال کو آپؒ سے بے حد عقیدت تھی، اقبال اکثر آپؒ کے مزار پر روحانی فیض کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ اقبال نے جب اپنا پہلا فارسی شعری مجموعہ اسرارِ خودی شائع کیا تو اُس میں 'حکایتِ نوجوانے از مرو کہ پیشِ حضرت سید مخدوم علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ آمدہ از ستم اعدا فریاد کرد' کے نام سے ایک باب شامل کیا۔ علامہ اقبال نے اس نظم میں آپ کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ حضرت سید علی ہجویریؒ اُمت کے سردار ہیں' آپ کا مزار بہت بڑے بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے لیے مانند حرم ہے۔ پنجاب کی سرزمین آپ کے دم سے زندہ ہوگئ' ہماری صبح آپ کے آفتاب سے منور ہوئی (مراد برصغیر میں اسلام آپ ہی کی بدولت پھیلا)۔ آپ کی برکت سے ہمارے ہاں وہی دور تازہ ہو گیا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اُس وقت کی اسلامی دنیا میں موجود تھا اور ان کے ارشادات سے دینِ حق کا شہرہ عام ہو گیا۔

سید ھجویر مخدوم امم — مرقد او پیر سنجر را حرم
خاک پنجاب از دم او زندہ گشت — صبح ما از مھر او تابندہ گشت
عھد فاروق از جمالش تازہ شد — حق ز حرف او بلند آوازہ شد

(محمد اقبال، (۱۹۹۴ء)، کلیات اقبال، لاھور، اقبال اکادمی پاکستان، ص: ٦٧)

(جاری ہے)

گلدستہ

خواتین کا رمضان اور روحانی بالیدگی

مرتبہ: جویریہ ابراہیم

رمضان المبارک کی آمد آمد ہے اور ہر سال کی طرح اس کا استقبال بھرپور طریقے سے کیا جاتا ہے اس مہینے میں خصوصاً گھریلو خواتین کی ذمہ داریوں میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

اس ماہ میں گھر کی ساری روٹین بدل جاتی ہے، خواتین کو سحری اور افطاری کی مناسبت سے خصوصی اہتمام کرنا، رمضان المبارک میں گھر کی صفائی ستھرائی کے ساتھ ساتھ روزوں اور عبادات کے فرائض بھی انجام دینا ہوتے ہیں۔اس مہینے میں عام طور پر ہماری گھریلو اور معاشی مصروفیات میں تبدیلی ضرور آتی ہے۔

اس تبدیلی کی وجہ سے ہمارے نظام انہضام پر بھی گہرا اثر پڑتا ہے، جس کے تدارک کیلئے ضروری ہے کہ سحر و افطار میں ایسی غذاؤں کا استعمال کیا جائے جو معدے میں جاکر کسی پریشانی کا باعث نہ بنیں۔

اس حوالے سے ماہرین صحت نے اس ماہ مقدس میں بھرپور غذائیت اور صحت مند رہنے سے متعلق چیدہ چیدہ نکات مرتب کیے ہیں تاکہ روزہ دار اس مقدس مہینہ میں صحت مند رہنے کے ساتھ ساتھ مکمل روحانی بالیدگی سے بھی لطف اندوز ہو سکیں۔

سحری و افطار کا بہترین طریقہ

ماہرین کے مطابق پورا دن روزہ گزارنے کے بعد ضروری ہے کہ افطار کے وقت درکار تمام غذائی اجزاء کو یقینی بنانے کے لیے مناسب طریقے سے روزہ افطار کریں،اس کی کلید متوازن غذا ہے۔

افطاری میں سب سے پہلے پانی پینے اور پھر کچھ کھجوریں کھانے سے بلڈ شوگر کو مستحکم کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔سُوپ کا استعمال بھی اس ضمن میں اہم ہے کیونکہ وہ روزے کے دوران میں جسم میں کم ہونے والی کیلوریز کو دوبارہ حاصل کرنے سمیت نظام ہاضمہ کو برقرار رکھنے میں مدد کرتا ہے۔

ماہرین کے مطابق میٹھے مشروبات سے حتی الامکان گریز کریں کیونکہ ان میں شکر اور کیلوریز کی مقدار زیادہ ہوتی ہے، روزہ کھولتے وقت پانی ہائیڈریشن کا پہلا ذریعہ ہونا چاہیے، روزہ افطار کے بعد اور سحر کے وقت تک پانی کے استعمال پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

جہاں تک بنیادی کھانے کی بات ہے تو افطار کے دسترخوان میں سبزیوں کے علاوہ لحمیات (پروٹین) اورنشاستہ دار (کاربوہائیڈریٹس) غذائیں اس میں شامل ہونا چاہییں۔ان غذاؤں کے اچھے آپشنز میں کینو، چنے، دال، پھلیاں، پورا اناج، براؤن پاستا، اور براؤن چاول شامل ہیں۔

یہ غذائیں پیچیدہ کاربوہائیڈریٹس وٹامنز، منرلز اور فائبر سے بھرپور ہوتے ہیں جو جسم کو روزے کے اوقات کے بعد درکار توانائی مہیّا کرتے ہیں۔بنیادی کھانے میں لحمیات کو بھی شامل ہونا چاہیے جیسے مچھلی، مرغی کا گوشت، چھوٹا گوشت، دہی، انڈے اور پنیر کو بھی کھانے کا حصہ ہونا چاہیے۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ افطار کرنے بعد بھی پھل یا شوگرلیول بہتر رکھنے کی غذا کھانے کی کوشش کرنی چاہیے اس کے علاوہ افطار ہو یا سحر کوئی بھی کھانا نہ چھوڑیں اور بالخصوص روزہ رکھتے وقت سحری کا کھانا بھی متوازن ہونا چاہیے، جس میں دہی، کھیرا اور کیلا بھی اچھے آپشن ہیں کیونکہ روزے سے پہلے پوٹاشیم کا استعمال بھی ضروری ہے، سحر کے کھانوں کے دیگر اختیارات میں روٹی کے ساتھ دال یا ڈیری مصنوعات کے ساتھ

کوئی بھی پروٹین والی غذائیں ہوسکتی ہیں۔

پروٹین انسانی غذا اور جسمانی نشونما کے لیے اہم اور بنیادی جز ہے جس کی کمی کے نتیجے میں صحت سے متعلق متعدد مسائل جنم لیتے ہیں، پروٹین کا استعمال روزانہ کی بنیاد پر کیا جانا چاہیے مگر دوران رمضان اس کے استعمال سے جہاں دیگر فوائد حاصل ہوتے ہیں وہیں یہ روزہ نہ لگنے کا سبب بھی بنتا ہے۔چنے کی سلاد کی ریسیپی آپ کی لیے پیش کی جا رہی ہے۔

پروٹین سے بھرے سادہ سے چنے اپنے خواص میں بہترین ہیں اور گوشت کا شاندار نعم البدل سمجھے جاتے ہیں۔ سبزی خور افراد کے لئے چنے کھانا صحت و توانائی کی ضمانت ہے۔چنے کی سلاد توانائی اور ذائقے کا بہترین امتزاج ہونے کے باعث سبزی خور اور وِیگن ڈائیٹ پر عمل کرنے والے خواتین و حضرات میں نہایت مقبول ہے۔چنے کی سلاد کو آپ اپنے پسندیدہ کھانے کے ساتھ سائیڈ ڈش کے طور پر بھی کھا سکتے ہیں اور چاہیں تو اس مزے دار سلاد کو بغیر کسی دوسرے پکوان کی آمیزش کے بھی کھایا جا سکتا ہے۔

پروٹین سے بھرپور سلاد منانے کی ترکیب

اجزاء

بند گوبھی کٹی ہوئی (آدھی)، گاجر لمبائی میں کٹی ہوئی (دو عدد)، پیاز درمیانے سائز کے (دو عدد)، کھیرا (دو عدد)، ٹماٹر لمبائی میں کٹے ہوئے (ایک عدد)، مایونیز (ایک کپ)، چنے اُبلے ہوئے (ایک کپ)، لیموں کا رس (ایک کھانے کا چمچ)، تیل (دو عدد کھانے کے چمچ)، نمک (حسبِ ذائقہ)، کالی مرچ (ایک چائے کا چمچ)، سرسوں کا پیسٹ (ایک چائے کا چمچ)، زیتون کا تیل (ایک چائے کا چمچ)، دھنیا سجاوٹ کے لئے

رمضان المبارک کی مناسبت سے قارئین کے لیے ایک اور ریسپی شیئر کی جا رہی ہے۔

ترکیب:

ایک باؤل میں دیئے گئے تمام اجزاء مکس کریں کالی مرچ اور حسبِ ذائقہ نمک شامل کر کے اچھے طریقے سے مکس کریں۔ دھنیے سے گارنش کر کے سرو کریں۔

آلو پاپڑی چاٹ

درکار اجزاء:

آلو۔ آدھا کلو (چھوٹے)، پاپڑی۔ چھ عدد (چورا کی ہوئی)، دال سیو (ایک پیکٹ)، تیل (ایک چوتھائی کپ)، کڑی پتے (آٹھ سے دس عدد)، زیرہ (ایک کھانے کا چمچ)، رائی (آدھا چائے کا چمچ)، نمک (حسب ذائقہ)، لال مرچ (ایک چوتھائی چائے کا چمچ)، ہلدی (ایک چائے کا چمچ)، املی کا گودا (ایک چوتھائی کپ)، چاٹ مصالحہ (ایک چوتھائی چائے کا چمچ)، ہری مرچ (چار عدد)

ترکیب:

پہلے آلوؤں کو چھیل کر اُبال لیں۔ اب ایک پین میں ایک چوتھائی کپ تیل گرم کرکے اس میں کڑی پتہ، زیرہ اور رائی ڈال کر فرائی کریں۔ ساتھ ہی اس میں نمک، لال مرچ، ہلدی اور املی کا گودا ڈال کر تھوڑا بھونیں۔ اس کے بعد اس میں آلو، چاٹ کا مصالحہ اور ہری مرچ شامل کر کے مکس کریں اور پھر اُتار لیں۔ اب اسے ڈش میں نکال کر چورا کی ہوئی پاپڑی اور دال سیو ڈال کر پیش کریں۔

فقہی مسائل

فلسفۂ صوم ......اہم سوالات اور ان کے جوابات

دارالافتاء تحریک منہاج القرآن

سوال: کیا روزے کے لئے نیت کرنا ضروری ہے؟

جواب: جی ہاں! روزے کی درستگی کے لئے نیت سب سے اوّل درجہ رکھتی ہے وگرنہ صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور مجامعت سے بچے رہنے سے تو ہرگز روزہ نہیں ہو گا۔جمہور ائمہ کے نزدیک ہر روزے کی الگ نیت ضروری ہے البتہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک پورے رمضان المبارک میں پہلے روزے کی نیت ہی کافی ہے بشرطیکہ پورے ماہ میں روزوں کا تسلسل قائم رہے۔

نیت کے لئے زبان سے اظہار کرنا ضروری نہیں ہے۔نیت دل کے ارادے کا نام ہے لیکن اگر نیت کے مسنون و مستحب الفاظ زبان سے دہرا لئے جائیں تو افضل ہے ورنہ اگر کوئی دل سے ارادہ کر کے سحری کے وقت روزہ رکھنے کے لئے اٹھا اور کچھ کھا پی کر روزہ رکھ لیا تو یہی اس کی نیت ہے۔

سوال: کیا روزہ توڑنے کی نیت کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: اگر کسی روزہ دار نے روزہ رکھنے کے بعد روزہ چھوڑنے کی نیت کی تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا اس لئے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان اقدس ہے:

”اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے دل میں پیدا ہونے والی باتیں معاف کی ہیں۔ جب تک وہ زبان پہ نہ آجائیں یا ان پر عمل نہ کر لیا جائے۔“(بخاری، الصحیح، کتاب العتق، باب الخطاء و النسیان فی العتاق و الطلاق و نحوه...، 2: 894، رقم :2391)

سوال: سحری کا وقت کب ختم ہوتا ہے، کیا اس کے بعد کچھ کھانا جائز ہے؟

جواب : سحری کا وقت ختم ہونے کے بعد کچھ بھی کھانا پینا جائز نہیں کیونکہ سحری کا وقت رات کے آخری نصف سے شروع ہوتا ہے اور صبح صادق سے چند لمحے قبل تک باقی رہتا ہے۔حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم نے حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سحری کھائی پھر آپ نماز کے لئے اٹھے، (راوی کہتے ہیں) میں نے ان سے دریافت کیا : اذان اور سحری میں کتنا وقفہ تھا (یعنی حضور ﷺ نے اذان سے کتنی دیر قبل سحری کی تھی)؟ انہوں نے فرمایا : پچاس آیات پڑھنے کے برابر۔(بخاری، الصحیح، کتاب الصوم، باب قدر کم بین السحور و صلاۃ الفجر، 2: 678، رقم: 1821)

جمہور فقہاء کے نزدیک اگر صبح صادق ہونے میں شک ہو تو کھا پی سکتے ہیں، لیکن جب صبح صادق کا یقین ہو جائے تو رک جانا ضروری ہے۔کوئی شخص سحری میں اتنی تاخیر کر بیٹھے کہ اذان شروع ہو جائے تو اس کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا سَمِعَ أَحَدُكُمُ النِّدَاءَ، وَالْإِنَاءُ عَلَى يَدِهِ فَلَا يَضَعْهُ حَتَّى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ مِنْهُ.(ابو داود، السنن، کتاب الصوم، باب فی الرجل یسمع النداء، 2: 292، رقم :22350)

”جب تم میں سے کوئی اذان سنے اور برتن اس کے ہاتھ میں ہو تو اپنی ضروریات پوری کیے بغیر اسے نہ رکھے۔“

سوال: سحری میں تاخیر اور افطاری میں جلدی کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: سحری میں تاخیر اور افطار میں جلدی کرنا سنت مؤکدہ ہے۔حضور نبی اکرم ﷺ کا عمر بھر یہ معمول رہا ہے کہ آپ ﷺ سحری میں تاخیر اور افطاری جلدی فرماتے۔سحری میں تاخیر اور افطاری جلدی کرنے میں کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔روحانی فیوض و برکات سے قطع نظر سحری دن میں روزے کی تقویت کا باعث بنتی ہے اور انسان بھوک پیاس کی شدت سے محفوظ رہتا ہے۔حضور نبی اکرم ﷺ نے اُمت کو تلقین فرمائی ہے کہ سحری ضرور کیا کرو خواہ پانی کا ایک گھونٹ، کھجور کا ایک ٹکڑا یا

منقی کے چند دانے ہی کیوں نہ ہو۔

اسی طرح افطاری جلد کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اس طرزِ افطاری سے یہود و نصاریٰ کی مخالفت مقصود ہے کیونکہ یہود و نصاریٰ روزہ تاخیر سے افطار کرتے ہیں۔ ستاروں کے ظاہر ہونے تک انتظار کرتے ہیں جس سے نجوم پرستی کا شائبہ پیدا ہوتا ہے۔ جب تک امتِ مسلمہ افطار میں جلدی اور سحری میں تاخیر کرتی رہے گی اس وقت تک سنت کی پابندی اور حدودِ شرع کی نگرانی کی وجہ سے خیریت اور بھلائی پر قائم رہے گی۔

سوال: کھجور سے روزہ افطار کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: کھجور سے روزہ افطار کرنے میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ کھجور غذائیت سے بھرپور پھل ہے۔ اس سے جسمانی توانائی حاصل ہوتی ہے۔ روزے سے جسمانی توانائی میں کمی ہو جاتی ہے اور اس وقت ایسی غذا کی ضرورت ہوتی ہے جس کے کھانے سے جسم کی توانائی بحال ہو جائے۔ اس صورت میں کھجور توانائی اور شکر کی کمی کو پورا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ کھجور کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر مختلف حوالوں سے فرمایا ہے۔ اسی طرح احادیث میں بھی کھجور کی افادیت، غذائی اہمیت اور طبّی فوائد بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ (مغرب) کی نماز سے پہلے چند تر کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے تھے۔ اگر تر کھجوریں بروقت میسر نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں (چھوہاروں) سے افطار فرماتے تھے اور اگر خشک کھجوریں بھی نہ ہوتیں تو چند گھونٹ پانی پی لیتے تھے۔ (ترمذی، السنن، ابواب الصوم، باب ما جاء ما یستحب علیہ الِافطار، 2: 73، رقم: 696)

آپ ﷺ کے اس عمل کو اگر سائنسی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب ہم کھجور سے افطاری کرتے ہیں تو اس کی مٹھاس منہ کی لعاب دار جھلی میں فوری جذب ہو کر گلوکوز میں تبدیل ہو جاتی ہے جس سے جسم میں حرارت اور توانائی بحال ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس اگر تلی ہوئی یا مرغن چٹخارے دار چیزیں استعمال کی جائیں تو اس سے معدے میں حدت اور کثرتِ تیزابیت کے باعث سینے کی جلن اور بار بار پیاس لگتی ہے۔ جس سے Digestive Enzymes تحلیل ہو جاتے ہیں جو

معدے کی دیواروں کو کمزور کرتے ہیں اور تبخیر کا سبب بنتے ہیں جبکہ کھجور سے افطاری کرنے کی صورت میں نہ تو معدے پر بوجھ پڑتا ہے اور نہ ہی معدے میں Hydrochlooricacid کی زیادتی ہو کر تبخیر کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں کھجور میں بے شمار طبّی فوائد ہیں مثلاً بلغم اور سردی کے اثر سے پیدا ہونے والی بیماریوں سے بچاتی ہے۔ ضعفِ دماغ رفع کرتی اور نسیان کو دور کرتی ہے۔ قلب کو تقویت و فرحت بخشتی اور بدن میں خون کی کمی یعنی anemia کو دور کرتی ہے۔ گردوں کو قوت دیتی، امراض تنفس میں بالعموم اور دمہ میں مفید و مؤثر ہے۔ عربوں میں ایک پرانی کہاوت ہے کہ سال میں جتنے دن ہوتے ہیں اتنے ہی کھجور کے استعمال اور فوائد ہیں۔

سوال: حالتِ روزہ میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کا کیا حکم ہے؟

جواب : روزہ دار حالتِ روزہ میں کلی بھی کر سکتا ہے اور ناک میں پانی بھی ڈال سکتا ہے لیکن پانی ڈالنے اور کلی کرنے میں مبالغہ کرنا مکروہ ہے جبکہ عام حالات میں اس میں مبالغہ کرنے کا حکم ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

اَسْبِغِ الْوُضُوْءَ وَخَلِّلْ بَيْنَ الْاَصَابِعِ وَبَالِغْ فِي الْإِسْتِنْشَاقِ إِلاَّ أَنْ تَكُوْنَ صَائِمًا.(ترمذی، السنن، ابواب الصوم، باب ماجاء فی کراھیة مبالغة الِاستنشاق للصّائم، 3: 155، رقم :788)

”کامل وضو کرو، انگلیوں کا خلال کرو اور اگر روزہ نہ ہو تو ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرو۔“

کلی میں مبالغہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ منہ بھر کر پانی لے کر بار بار غرغرہ کرے جس سے حلق میں پانی جانے کا اندیشہ ہو اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ یہ ہے کہ جہاں تک ناک کی نرم ہڈی ہو وہاں تک پانی کا بار بار ڈالنا کہ پانی ناک کی جڑ تک پہنچ جائے۔

یاد رہے کہ اگر کلی کرتے وقت بلاقصد پانی حلق میں چلا گیا یا ناک میں خوب اچھی طرح سانس کھینچ کر پانی ڈالا تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا جس کی بعد ازاں قضا واجب ہے لیکن اگر روزہ دار کو اپنا روزہ دار ہونا بھول گیا تو اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

سوال: بھول کر کھانا کھانے سے روزہ کیوں نہیں ٹوٹتا؟

جواب : بھول کر کھانے سے روزہ اس لئے نہیں ٹوٹتا کہ اس میں روزہ دار کا ارادہ شامل نہیں ہوتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا :

مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ، فَأَكَلَ أَوْ شَرِبَ، فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ، فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللهُ وَسَقَاهُ-(مسلم، الصحیح، كتاب الصيام، باب أكل الناسي وشربه وجماعه لا يفطر، 2: 809، رقم :1155)

"روزہ کی حالت میں جو شخص بھول کر کچھ کھا پی لے تو وہ اپنا روزہ پورا کرے کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک آدمی حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ ﷺ ! میں حالتِ روزہ میں بھول کر کھا پی بیٹھا ہوں (اب کیا کروں؟) آپ ﷺ نے فرمایا: "تمھیں اللہ تعالیٰ نے کھلایا پلایا ہے۔"(ابو داؤد، السنن، کتاب الصیام، باب من أكل ناسياً، 2: 307، رقم: 2398)

جمہور ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص روزے کی حالت میں بھول کر کھا پی لے تو اس پر نہ قضا واجب ہے اور نہ کفارہ بلکہ وہ اپنا روزہ پورا کرے۔وہ اس کھائے پیے کو اللہ کی طرف سے مہمانی شمار کرے کہ اس نے اپنے بندے کو بھلا کر کھلا پلا دیا لیکن اگر کھاتے پیتے وقت روزہ یاد آیا تو جو کھا پی چکا وہ معاف، ہاں اب کھانے کا یا پانی کا ایک قطرہ بھی حلق میں نہ جانے دے بلکہ اب جو کچھ منہ میں ہے اسے فوراً باہر نکال دے۔

سوال:اگر دھواں، غبار، عطر کی خوشبو یا دھونی حلق یا دماغ میں چلی جائے تو کیا اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: روزہ دار کے حلق میں غبار، عطر کی خوشبو، دھونی یا دھواں چلے جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن اگر کسی روزہ دار نے غبار یا دھویں کو قصداً اپنے حلق میں داخل کیا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔

سوال: کیا قے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: قے آنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا خواہ کم ہو یا زیادہ لیکن اگر خود اپنے فعل اور کوشش سے قصداً قے کی جائے اور منہ بھر کر ہو تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اگر کم ہو تو نہیں ٹوٹے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْئُ فَلَيسَ عَلَيه قَضَاءٌ، وَمَنِ اسْتَقَاءَ عَمْدًا فَلْيَقْضِ۔ (ترمذی، السنن، ابواب الصوم، باب ما جاء فیمن استقاء عمداً، 2: 90، رقم :720)

”جس شخص کو (حالتِ روزہ میں) از خود قے آ جائے تو اس پر قضاء نہیں اور (اگر) جان بوجھ کر قے کی تو وہ (اس روزہ کی) قضاء کرے۔“

سوال: کیا دانتوں سے خون نکلنے کی صورت میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: دانتوں سے خون نکل کر حلق میں داخل ہو جائے یا خود اسے نگل لیا جائے ایسی صورت میں خون اگر تھوک پر غالب ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اس صورت میں صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں اور اگر تھوک خون پر غالب ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

سوال: کیا کسی مریض کو حالتِ روزہ میں خون دینا جائز ہے؟

جواب : جسے خون دیا جاتا ہے اسے تو لازمی طور پر روزہ افطار کرنا ہے البتہ خون دینے والا اپنی صحت کا خیال کرے۔ خون دینے سے روزہ تو نہیں ٹوٹتا البتہ کمزوری لاحق ہو جاتی ہے۔ اس لئے خون دینے والے کو اپنی صحت کے مطابق ایسا قدم اٹھانا چاہیے جس سے اس کا روزہ بھی برقرار رہے اور شدید نقاہت بھی نہ ہو۔ ہاں اگر ایمرجنسی ہے تو ظاہرًا بات ہے کہ کسی انسان کی جان بچانا فرض ہے، لہٰذا بایں صورت ضعف برداشت کرے۔

خواتین میں بیداری شعور وآگہی کے لیے کوشاں

ماہنامہ دختران اسلام لاہور

کی سالانہ خریداری حاصل کریں

زیرِ سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
بیگم رفعت جبین قادری

فی شمارہ: 60 روپے
سالانہ خریداری: 700 روپے

اپنے علاقے میں موجود پبلک لائبریریز، کالجز، سکولز، عوامی مقامات، دوست احباب اور علاقے کی موثر شخصیات کو سالانہ خریداری کی صورت میں تحفہ بھجوائیں

365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 042-5169111-3, 111-140-140 Ext: 149
Whatsapp: 0305-4547289, 0300-8105740
www.minhaj.info, Email: sisters@minhaj.org

شہر اعتکاف 2025ء

ہدایات برائے معتکفات

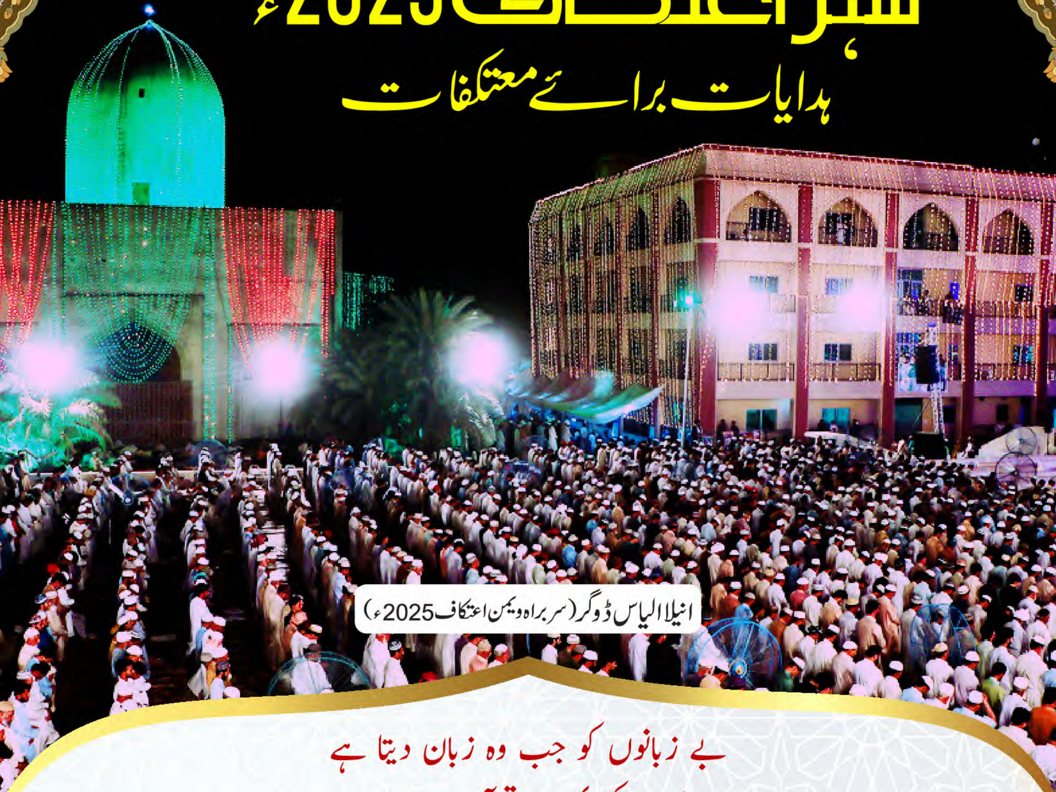

انیلا الیاس ڈوگر (سر براہ ویمن اعتکاف 2025ء)

بے زبانوں کو جب وہ زبان دیتا ہے
پڑھنے کو پھر وہ قرآن دیتا ہے
بخشش پہ آتا ہے جب امت کے گناہوں کو
تحفے میں گناہ گاروں کو رمضان دیتا ہے

رمضان المبارک کے آخری عشرے کی اہم ترین عبادت اعتکاف ہے ، اعتکاف عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ٹھہر جانے اور خود کو روک لینے کے ہیں۔اس عبادت میں انسان صحیح معنوں میں سب سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کے حضور یکسو ہو کر بیٹھ جاتا ہے، خلوت میں خوب توبہ و استغفار کرتا ہے، تلاوت، نوافل ، ذکر و ازکار کرتا ہے، دعا و التجا کرتا ہے اور اس کی ساری توجہ اس امر پر مرکوز رہتی ہے کہ میں شب قدر کی تلاش اور اس مبارک رات کی عبادت میں کامیاب ہوجاؤں تاکہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جائے۔

نفسِ اعتکاف ان عبادات میں سے ہے جو پچھلے انبیاءِ کرام علیہم السلام کے زمانے سے چلی آرہی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں بھی ان کا ذکر فرمایاہے، اللہ سبحانہ

وتعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بیت اللہ کی تعمیر کے بعد طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور نماز ادا کرنے والوں کے لیے اسے (بیت اللہ) پاک صاف رکھنے کا حکم دیا ہے۔

نیز اعتکاف میں اللہ تعالیٰ کے گھر میں قیام کرکے تقربِ باری تعالیٰ کا حصول ہے،دنیا سے منہ موڑنا اور رحمتِ خداوندی کی طرف متوجہ ہونا اور مغفرتِ باری تعالیٰ کی حرص کرنا ہے۔اور معتکف کی مثال ایسے بیان فرمائی گئی ہے گویا کوئی شخص کسی کے در پر آکر پڑجائے کہ جب تک مقصود حاصل نہیں ہوگا اس وقت تک نہیں لوٹوں گا، معتکف اللہ کے در پر آکر پڑجاتاہے کہ جب تک رب کی رضا اور مغفرت کا پروانا نہیں مل جاتا وہ نہیں جائے گا، ایسے میں اللہ کی رضا ومغفرت کی قوی امید بلکہ اس کے فضل سے یقین رکھنا چاہیے۔

شہر اعتکاف 2025- ہدایات برائے معتکفات

بحمداللہ تعالیٰ امسال بھی شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی کی سرپرستی میں اور محترم ڈاکٹر حسن محی الدین القادری و محترم ڈاکٹر حسین محی الدین القادری کی معیت میں جامع المنہاج بغداد ٹاؤن، ٹاؤن شپ لاہور میں 32 واں سالانہ شہراعتکاف آباد ہورہا ہے۔جسے حرمین شریفین کے بعد دنیا کے سب سے بڑے اعتکاف ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ شہر اعتکاف تحریک منہاج القرآن کی پہچان ہے۔وہ ہزارہا خوش نصیب معتکفین اور معتکفات جو امسال اس سعادت سے فیض یاب ہوں گے ان کیلئے مرکز کی جانب سے خصوصی ہدایات دی جارہی ہیں۔جملہ معتکفین اور معتکفات پر اِن ہدایات کی پابندی لازمی ہوگی۔نیز تنظیمات جن معتکفین اور معتکفات کو لے کر آئیں گی اُن سے ان ہدایات پر عمل درآمد کروانا لازم ہو گا۔جملہ تنظیمات، رفقاء و کارکنان اعتکاف 2025 کو کامیاب بنانے کے لئے اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔

اعتکاف گاہ میں آنے سے پہلے کرنے کے کام

1۔ اعتکاف کی سعادت حاصل کرنے کے خواہشمند خواتین و حضرات پریشانی سے بچنے کے لئے بروقت ایڈوانس بکنگ کروالیں۔بکنگ پہلے آیئے پہلے پایئے کی بنیا دپر ہوگی۔اعتکاف گاہ میں گنجائش کے مطابق بکنگ کی جائے گی اور جگہ کی تنگی کے باعث

تنظیمات کو کوٹہ الاٹ کیاجائے گا۔معتکفات کی مطلوبہ تعداد مکمل ہونے پر بکنگ بند کردی جائے گی۔اعتکاف کی بکنگ کیلئے مقامی تنظیم سے رابطہ کریں۔

2۔ رجسٹریشن کی آخری تاریخ سے قبل رجسٹریشن کو یقینی بنائیں۔

3۔ ضروری سامان ہمراہ لے کر آئیں۔

4۔ حاملہ خواتین اور 3 سال سے کم عمر بچوں کو اعتکاف گاہ میں آنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

5۔ کتب اور خطابات کے میموری کارڈز کی خریداری کیلئے رقم ساتھ لائیں اور خود اس کی حفاظت کا اہتمام کریں۔

6۔ اگر کوئی بیماری ہے تو ڈاکٹر کی رپورٹ اور مکمل ریکارڈ ساتھ رکھیں۔

7۔ ذمہ داریاں سرانجام دینے کی صلاحیت کی حامل خواتین کو تیار کرکے لائیں۔

8۔ مقامی تنظیم کے ذریعے قبل از وقت مرکز کو اطلاع کریں تاکہ انتظامات بہتر ہو سکیں۔

9۔ سیکیورٹی کے پیش نظر اصل قومی شناختی کارڈ ہمراہ لائیں، فوٹو کاپی قابل قبول نہیں ہوگی۔

10۔ جملہ معتکفات اپنے کوپن کے ساتھ اپنی پاسپورٹ سائز تصویر attatch کریں گے جسے وہ اپنے سینے پر آویزاں کریں گے۔اس کی پابندی کرنا ہر ایک پر لازم ہوگا۔

اعتکاف گاہ میں آتے وقت

1۔ بروقت آمد (ہجوم اور پریشانی سے بچنے کیلئے 20 رمضان المبارک کی صبح ہی تشریف لے آئیں)

2۔ سیکیورٹی اور انتظامیہ سے بھرپور تعاون کریں۔

3۔ ہر شخص اپنی اور اپنے سامان کی خود چیکنگ کروائے۔

4۔ اعتکاف گاہ میں داخلہ ٹوکن کے بغیر نہ ہوگا۔لہٰذا ایڈوانس بکنگ والے احباب اپنا ٹوکن ہمراہ لائیں۔

5۔ موبائل فون اور قیمتی اشیاء کی حفاظت کا خصوصی اہتمام کریں۔نیز رجسٹریشن کارڈ، ID کارڈ اور دیگر قیمتی اشیاء کے لیے ایک چھوٹا بیگ جیسا عمرہ وحج کے دوران زائرین استعمال کرتے ہیں، ہمراہ لائیں۔

6۔ موبائل لانے سے اجتناب کریں۔شہر اعتکاف میں موبائل فون کے استعمال سے معتکفات ڈسٹرب ہوتی ہیں جس سے یکسوئی متاثر ہوتی ہے نیز موبائل فون گم ہونے کی صورت میں انتظامیہ ذمہ دار نہیں ہوگی، آپ خود خیال رکھیں۔

نوٹ: انتظامیہ سے ہر ممکن تعاون فرمائیں تاکہ انتظامیہ آپ کو بہتر سے بہتر سہولیات فراہم کرسکے۔

دورانِ اعتکاف

1۔ معتکفات پر انتظامیہ کے ساتھ ہر قسم کا تعاون لازم ہو گا۔

2۔ فیس ماسک لگانا ضروری ہوگا۔

3۔ کسی قسم کی شکایت کی صورت میں اپنے ہال انچارج سے رابطہ کریں۔ہر بلاک میں انتظامیہ کا ڈیسک موجود ہوگا تاکہ آپ کا مسئلہ فوری طور پر حل ہوسکے۔

4۔ ڈسپلن کے لیے ضروری ہے کہ ہر معتکفہ کے پاس جس ہال کا کارڈ ہے، وہ وہیں رہ سکتی ہے۔دوسرے ہال میں جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔آسانی کے لیے ہر ہال کے کارڈ کا نام اور رنگ دوسرے ہال سے مختلف ہے۔

5۔ آرام کے وقت آرام ضرور کریں تاکہ اگلے دن Fresh ہو کر معمولات سر انجام دے سکیں۔
6۔ دیگر معتکفات بالخصوص بزرگوں کا خیال رکھیں اور اعتکاف گاہ میں موجود سہولیات کے لئے بزرگوں کو ترجیح دیں۔
7۔ مشکلات زندگی کا حصہ ہیں اور قربِ الٰہی بغیر مشکلات اور صبر کے ممکن نہیں، اس لیے دس روز پیش آنے والی مشکلات کو صبر و تحمل سے برداشت کریں کیونکہ روزے سے برداشت اور صبر کا سبق ملتا ہے۔
8۔ کسی مسئلہ کے حل نہ ہونے پر پریشانی کی صورت میں شور شرابہ اور ماحول خراب کرنے کے بجائے انتظامیہ سے رابطہ کریں۔
9۔ شیڈول کے مطابق نظام پر بہر صورت عمل کریں۔
10۔ قرآن و حدیث کی روشنی بکھیرتے ہوئے شیخ الاسلام کے خطابات ہی حاصلِ اعتکاف ہیں ان کو کسی قیمت پر Miss نہ کریں۔
11۔ اعتکاف ایک ایسی سنت ہے جس میں اس کی روح کو مدنظر رکھنا لازمی امر ہے۔لہذا اعتکاف کو تفریح کا ذریعہ نہ بنائیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے حصول اور گناہوں سے توبہ کیلئے اعتکاف کریں اور اسکے جملہ تقاضے پورے کریں۔
12۔ ایک دوسرے سے حسنِ سلوک سے پیش آئیں نیز عملی طور پر باہمی مدد، خدمت و قربانی کے جذبے کے ساتھ اعتکاف میں آئیں۔
13۔ اپنے سامان کی خود حفاظت کریں۔
14۔ اعتکاف کے دوران آپ کے گھر سے آنے والے مرد حضرات اور اہل خانہ سے گیٹ پر بار بار ملاقات اور فون کالز سے اجتناب کریں۔
15۔ صفائی کا خاص خیال رکھیں۔کوڑا کرکٹ؛ وضو خانہ اور باتھ روم کی جگہ نہ پھینکیں بلکہ کوڑے والے ڈرم میں پھینکیں۔
16۔ سیکیورٹی کے پیش نظر اپنے اردگرد کے ماحول اور افراد پر کڑی نظر رکھیں۔ کسی بھی مشکوک فرد یا لاوارث سامان/ شاپنگ بیگ، تھیلا وغیرہ دیکھنے کی صورت میں فوری انتظامیہ کو اطلاع کریں۔
17۔ انتظامیہ کی طرف سے جاری فیڈ بیک پروفارمہ اور کوائف فارم ضرور پر کریں۔
18۔ دوسروں کے لئے آسانیاں پیدا کریں۔ایسا کوئی کام نہ کریں جس سے گردو

نواح کی معتکفات کو کسی قسم کی تکلیف پہنچے۔

19۔ آپ اپنی زکوٰۃ و عطیات اور فطرانہ منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن کے کیمپ پر جمع کرواسکتے ہیں۔

20۔ معتکفات اپنے بلاک کے حلقے میں رہیں، صرف نماز کی ادائیگی و خطاب سننے کے لئے پنڈال میں تشریف لائیں۔

واپسی

1۔ واپسی کیلئے ٹرانسپورٹ کا بندوبست بروقت کریں اور منتظمین کو اپنی ڈیمانڈ 26 رمضان المبارک تک فراہم کردیں۔

2۔ اپنا مکمل سامان ساتھ لے کر جائیں (شیخ الاسلام کی کتب اور خطابات زیادہ سے زیادہ اپنے ہمراہ لے کر جائیں)۔

4۔ اپنے حلقے کی صفائی ضرور کرکے جائیں کیوں کہ عید کے فوراً بعد کالج کی طالبات نے تعلیم کیلئے یہاں آنا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ ربّ العزت ہمیں آخری عشرہ رمضان کے اعتکاف کی توفیق عطاء فرمائے ، جوکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنت، لیلۃ القدر جیسی مبارک رات کی عبادت کا ذریعہ اوراللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کاباعث ہے۔آمین

شکریہ

خرم نواز گنڈا پور

(ناظم اعلیٰ و سربراہ شہر اعتکاف)

محمد جوّاد حامد (نائب ناظم اعلیٰ ایڈمنسٹریشن و اجتماعات و سیکرٹری شہرِ اعتکاف)

(04235163843 ،03153653651)

انیلا الیاس ڈوگر (ناظمہ زونز اے و سربراہ ویمن اعتکاف)

(03347529223 ،03007898299 ,03174383705)

SHAYKH-UL-ISLAM'S VISION FOR EMPOWERMENT THROUGH KNOWLEDGE

Hadia Saqib Hashmi
Research Associate, ICRIE, Minhaj Universty Lahore

Shaykh-ul-Islam Prof. Dr. Muhammad Tahir-ul-Qadri is a highly respected scholar, educationist, and social reformer whose vision for Minhaj University Lahore has profoundly transformed the academic and cultural landscape of Pakistan. Founded with a mission to combine world-class education with moral and ethical principles, Minhaj University has emerged as a beacon of hope for students aspiring to excel in modern disciplines while staying deeply rooted in spiritual and cultural values. Over the years, more than 15,000 students have enrolled at the university, availing themselves of programs that integrate a global outlook with the finest academic and moral standards.

Under the able leadership of Shaykh-ul-Islam, Minhaj University Lahore has constantly evolved to address the changing needs of society. Recognizing the importance of promoting peace and tackling extremism, the university

established the Department of Peace and Counter Terrorism. This unique department serves as a pioneering platform for research, training, and dialogue to counter negative narratives, equipping students with skills to advocate for harmony and tolerance in an increasingly complex world. Such forward-thinking initiatives reflect the lifelong dedication of Shaykh-ul-Islam to bringing about social justice and sustainable peace in Pakistan and beyond.

In addition to its academic innovations, Minhaj University remains one of the most affordable private-sector institutions in the country. This affordability does not come at the expense of quality; rather, it aligns perfectly with Shaykh-ul-Islam's vision of ensuring education is accessible to students from diverse socioeconomic backgrounds. Scholarships, financial aid programs, and reduced tuition rates collectively help lower financial barriers, thus creating opportunities for students who otherwise might not be able to pursue higher education.

Crucial to the success and continual advancement of the university is the stewardship of Shaykh-ul-Islam's son, Prof. Dr. Hussain Mohi-ud-Din Qadri, who serves as Deputy Chairman of the Board of Governors. His dynamic leadership, guided by the foundational values laid out by his father, helps efficiently oversee the university's growth, academic programs, and strategic direction. Working hand in hand, both father and son ensure that Minhaj University's educational framework remains grounded in ethical teachings while also being informed by contemporary academic trends.

On-campus, Minhaj University Lahore showcases its commitment to spiritual and cultural enrichment through the establishment of the Shaykh-ul-

Islam Spiritual Center. This center serves as a reflective space for students, faculty, and visitors, reminding them of the profound spiritual heritage upon which the university was founded. Additionally, the university's Naat Research Center is a testament to Shaykh-ul-Islam's devotion to preserving and promoting traditional forms of devotional literature. By dedicating research efforts to Naat, the university underscores the importance of spiritual expression within an educational setting, allowing students to engage academically with this significant genre of Islamic poetry.

Moreover, Minhaj University embodies several unique features that distinguish it from other higher education institutions in Pakistan. Its integrated model of education encourages holistic development, combining theoretical knowledge with practical skill-building. The emphasis on promoting values like respect, tolerance, and empathy permeates every aspect of campus life, inspiring students to become compassionate professionals who contribute positively to society. Cutting-edge research facilities and continual encouragement for academic innovation further allow the university to remain at the forefront of intellectual progress.

Shaykh-ul-Islam Prof. Dr. Muhammad Tahir-ul-Qadri's contributions through Minhaj University Lahore extend well beyond the realm of academics, reaching into areas of social welfare, community development, and intercultural harmony. By weaving ethical values into every facet of education, he has ensured that graduates emerge not only with scholarly competence but also with a profound sense of civic responsibility. This dual emphasis on intellectual and moral development has inspired countless

students and faculty to use their knowledge and skills for the betterment of society.

One of the most impactful services provided under his leadership is the university's focus on community outreach. Numerous workshops, seminars, and training sessions target pressing social issues such as poverty alleviation, women's empowerment, and youth leadership. These initiatives often bring together subject experts, policymakers, and students, fostering collaborative solutions to challenges faced by local communities.

Another major contribution to society is the creation of specialized departments and research centers with a social welfare dimension. The Department of Peace and Counter Terrorism exemplifies this approach by focusing on strategies to combat extremism and foster social cohesion. This endeavor also serves as a platform for intercultural dialogue, promoting open discussions on peaceful coexistence and mutual respect. Meanwhile, the Shaykh-ul-Islam Spiritual Center and the Naat Research Center nurture spiritual reflection and cultural preservation. These centers not only enrich the campus environment but also radiate their positive influence throughout the broader community, emphasizing the importance of moral integrity and a deep love for traditional devotional expressions.

The university's affordability is itself a remarkable service to society, especially in a country where quality private higher education can be financially burdensome. Shaykh-ul-Islam's emphasis on access and equity has made Minhaj University one of the most cost-effective private institutions in Pakistan, enabling students from diverse economic backgrounds to pursue higher education. By offering scholarships and

financial aid, the university removes barriers that might otherwise prevent talented individuals from realizing their potential. This commitment to inclusivity significantly impacts local communities by producing graduates who are both well-prepared and motivated to serve, irrespective of their own socioeconomic origins.

Furthermore, the university's various student-led clubs and organizations engage in volunteer programs and social upliftment campaigns, often conducted in tandem with Minhaj-ul-Quran International's extensive humanitarian network. From blood donation drives and health camps to distributing relief materials during emergencies, these initiatives reflect the compassionate ethos championed by Shaykh-ul-Islam. By encouraging students to work alongside faculty and external partners on projects that address community needs, the university ensures that the spirit of service is embedded in the academic experience.

In essence, every dimension of Minhaj University Lahore—from its visionary educational model to its extracurricular engagement—bears the stamp of Shaykh-ul-Islam Prof. Dr. Muhammad Tahir-ul-Qadri's commitment to uplifting society. His leadership, in partnership with Prof. Dr. Hussain Mohi-ud-Din Qadri and the wider university community, has created an ecosystem where academic rigor, moral values, and social responsibility converge. Through these collective efforts, Minhaj University continues to shape responsible citizens who, grounded in spiritual integrity and driven by intellectual excellence, actively contribute to the advancement of both their local communities and the broader global society.

A VISIONARY LEADER

INSPIRING LIFELONG LEARNING

HINA AMIN

Dr. Tahir-ul-Qadri, a prominent figure in Islamic scholarship, politics, and social activism, is recognized for his significant contributions to the field of education. His educational philosophy, characterized by a unique blend of Islamic teachings and modern scholarship, has profoundly impacted the intellectual and social landscape, particularly within Pakistan.

A Framework for Holistic Education:

Dr. Qadri's educational vision emphasizes the importance of a holistic approach that nurtures not only intellectual growth but also moral and ethical development. He advocates for an educational system that equips individuals with the knowledge and skills necessary to excel academically while simultaneously cultivating strong moral character and a deep understanding of Islamic values. This approach aims to produce well-rounded individuals who are not only academically proficient but also responsible citizens contributing positively to society.

Minhaj-ul-Quran International (MQI): A Model for Educational Excellence:

Dr. Qadri founded Minhaj-ul-Quran International (MQI), a global organization with a strong emphasis on education. MQI has established a comprehensive network of educational institutions, ranging from schools and colleges to universities and seminaries, that provide quality education to students from diverse backgrounds.

- Curriculum Integration: MQI institutions integrate modern curricula with Islamic teachings, fostering a balanced approach to learning. This ensures students acquire both secular knowledge and a deep understanding of Islamic principles.
- Character Development: Character building is a cornerstone of the MQI educational philosophy. Institutions emphasize the development of key moral and ethical values, such as honesty, compassion, and social responsibility, through various curricular and extracurricular activities.
- Interfaith Harmony: MQI institutions actively promote interfaith harmony and understanding. Students are encouraged to respect diverse beliefs and cultures, fostering an environment of tolerance and peaceful coexistence.

Dr. Qadri's Scholarly Contributions to Education:

Dr. Qadri is a renowned scholar of Islamic jurisprudence (Fiqh) and theology (Usul-ud-Din). His extensive research and writings have significantly enriched Islamic scholarship, particularly in areas relevant to education.

- Reforming Islamic Education: Dr. Qadri has been a vocal advocate for the reform of traditional Islamic education systems. He emphasizes the need to modernize these systems while preserving their core values, ensuring they remain relevant and responsive to the challenges of the 21st century.
- Promoting Critical Thinking: Dr. Qadri encourages critical thinking and independent inquiry among students of Islamic studies. He highlights the importance of understanding and interpreting religious texts within their historical and cultural contexts.

Beyond the Classroom: A Commitment to Lifelong Learning:

Dr. Qadri recognizes that education is a lifelong journey. He emphasizes the importance of continuous learning and self-improvement beyond formal education.

- Promoting Lifelong Learning Initiatives: MQI organizes various seminars, workshops, and conferences on diverse topics, including Islamic studies, social sciences, and professional development, to encourage lifelong learning among its members and the wider community.
- Empowering Women through Education: Dr. Qadri is a strong advocate for women's education. He believes that educating women is crucial for the social and economic development of any society and has actively promoted equal access to quality education for girls and women within MQI institutions.

Impact and Legacy:

Dr. Qadri's educational vision has had a profound and lasting impact.

- Producing Skilled Professionals: MQI institutions have produced a significant number of skilled professionals across various fields, including medicine, engineering, law, and education, who are contributing to the development of their communities and nations.
- Fostering Social Change: By emphasizing social responsibility and ethical conduct, Dr. Qadri has inspired many individuals to become agents of positive social change, actively engaged in community development and humanitarian work.
- Promoting Interfaith Dialogue: Dr. Qadri's efforts to promote interfaith harmony and understanding have contributed significantly to building bridges between people of different faiths and fostering a culture of peace and tolerance.

Conclusion:

Dr. Tahir-ul-Qadri's contributions to the field of education are multifaceted and significant. His unique blend of Islamic scholarship, modern educational principles, and a strong emphasis on moral and ethical development has created a lasting impact. His legacy continues to inspire and guide educational institutions and individuals towards a more just, equitable, and harmonious future.

MINHAJ UNIVERSITY LAHORE
MUL
DISCIPLINE - INNOVATION - EXCELLENCE - CHARITY
Minhaj
University
Lahore
MINHAJ
Yani Rasta
Rasta Kamyabi Ka
ADMISSIONS
SPRING
'25
Apply Now
03 111 222 685 | 042 35145629
www.admission.mul.edu.pk

Monthly
DUKHTARAN-E-ISLAM
MAR-2025
LAHORE
Regd CPL No.45